besturdubooks.wordpress.com

وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ
(القرآن)

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ در مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید
فرنگ آئین جمہوری نہاد ست
رسن از گردن دیوے کشاد ست

رفع النقاب
عن
وجہ الانتخاب

جمہوریت اسلامیہ
عورت کی سربراہی کی حرمت کے بارے میں

اکابر علماء کا متفقہ فیصلہ

قرآن ○ حدیث ○ فقہ ○ عقل ○ اجماع امت

کتبہ فاروق

besturdubooks.wordpress.com

رفع النقاب

مندرجات :

- جمہوریتِ اسلامیہ
  - جمہوریت اسلامیہ وجمہوریت مروّجہ میں فرق
  - شرائط امیر
  - طریق انتخاب
- عورت کی سربراہی — اکابر علماء کا فیصلہ
  - نصوصِ قرآنیہ
  - حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات
  - فقہ مذاہبِ اربعہ
  - عقل سلیم
  - اجماع امت
  - دلائل ملحدین کے جوابات :
    - ابن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ
    - قصہ بلقیس
    - حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
    - حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ
- تمام مکاتبِ فکر کے پاکستانی علماء کا فیصلہ
- المزید :
  - قرآن وحدیث سے مزید دلائل
  - ملحدین کی مزید تلبیسات کے جوابات :
    - بعض جزئیات فقہیہ
    - شجرۃ الدر
    - امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ
    - امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ

besturdubooks.wordpress.com

جمہوریت اسلامیہ

سوال : اسلام میں طرزِ حکومت شاہی ہے یا جمہوری؟ اگر جمہوری ہے تو طریقِ انتخاب کیا ہے؟

اسلامی جمہوریت میں مسلمانوں کا سربراہ کیسے منتخب کیا جاتا ہے؟ کیا مرد اور عورت سب کو رائے دہی کا حق ہے یا صرف مردوں کو؟ اور کیا صرف اربابِ عقول اور سمجھدار لوگوں سے رائے لی جائے یا سب سے، سمجھدار اور بے سمجھ چرواہوں اور بے وقوفوں سے بھی؟ جیسا کہ آجکل کے ریفرنڈم کا طرزِ عمل ہے، غرض جن لوگوں کو اپنا خلیفہ منتخب کرنے میں کوئی سمجھ نہیں کہ کون اہلیت رکھتا ہے، کیا ان سے بھی رائے لی جائے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اسلام کا طرزِ حکومت جمہوری ہے، جمہوریت اسلامیہ اور جمہوریتِ مروجہ میں دو قسم کا فرق ہے۔

(۱) جمہوریت مروجہ میں سربراہ مملکت خود مختار نہیں ہوتا بلکہ مقننہ کے فیصلہ کا پابند ہوتا ہے اور جمہوریت اسلامیہ میں امیرالمؤمنین خود مختار رہتا ہے، اہم اُمور میں اہلِ حل وعقد سے مشورہ کے بعد جو اس کی رائے میں صواب ہو اس کے مطابق فیصلہ کرے، شوریٰ کے فیصلہ کا پابند نہیں،

قال اللہ تعالیٰ وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ (۳-۱۵۹)

(۲) جمہوریت مروجہ میں ہرکس وناکس کو رائے دہی کا حق ہے مگر جمہوریت اسلامیہ میں انتخاب خلیفہ کا حق صرف اہلِ حل وعقد کو ہے۔

اہلیتِ حل وعقد کے لئے پانچ شرائط ہیں۔

(۱) عقائد اسلام میں رسوخ ومضبوطی۔

(۲) ذکورۃ۔ (۳) علم دین میں رسوخ۔

(۴) تقویٰ وتصلب فی الدین۔

(۵) ملکی حالات وسیاسیاتِ حاضرہ میں بصیرتِ تامّہ۔

besturdubooks.wordpress.com

دلائل :

① قال اللہ تعالیٰ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۭ (۴-۸۳)

جب عمومی مسائل کے لئے اہلِ حل وعقد کی طرف رجوع کا حکم ہے تو خلافت جیسے اہم واعظم مسئلہ کے لئے عوام کالانعام کی طرف رجوع کی کیسے اجازت دی جا سکتی ہے؟

② وَقَالَ تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ (۴-۵۹)

اس آیت میں اُولی الامر کی دو تفسیریں کی گئی ہیں :

(۱) حکام۔ (۲) اہل حل وعقد۔

پہلی آیت میں اُولی الامر سے اہلِ حل وعقد ہی متعین ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ دوسری آیت میں بھی یہی تفسیر راجح ہے۔

جب عام معاملات میں اہلِ حل وعقد کی اطاعت کا حکم ہے تو انتخاب امیر جیسے اہم مسئلہ میں بطریقِ اولیٰ ان کی اطاعت فرض ہوگی۔

③ وقال تعالیٰ وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ (۶-۱۱۶)

④ وقال تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (۴-۵۸)

اس سے جیسے یہ ثابت ہوا کہ امیر ایسے شخص کو منتخب کرنا فرض ہے جس میں امارت کی اہلیت ہو، اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ عوام پر یہ فرض ہے کہ انتخاب امیر کا مسئلہ خود طے کرنے کی بجائے ایسے اہلِ حل وعقد کے سپرد کریں جن میں انتخاب کی اہلیت ہو۔

⑤ نصوص شرعیہ کے علاوہ عقل کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ انتخاب امیر ہر کس و ناکس کا کام نہیں بلکہ اس کے لئے کمال عقل کی ضرورت ہے اور علم دین وتقویٰ کے بغیر عقل کامل نہیں ہوسکتی۔

شرائط امیر :

امیر کے لئے اہلیت حل وعقد کی شرائط مذکورہ کے علاوہ چھٹی شرط یہ

besturdubooks.wordpress.com

بھی ہے کہ صاحب ہمت وشجاعت ہو۔

طریق انتخاب امیر:

اسلام میں انتخاب امیر کے تین طریقے ہیں:

(۱) بیعت اہل حل وعقد، کما وقع لسیدنا ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲) استخلاف، خلیفۂ وقت چند اہل حل وعقد سے مشورہ کرکے کسی کے بارے میں وصیت کردے کہ میرے بعد یہ خلیفہ ہوگا، جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان، عبدالرحمن بن عوف، سعید بن زید، اسید بن حضیر اور مہاجرین وانصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے دوسرے اہل حل وعقد سے مشورہ کرکے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منتخب فرمایا۔

روی ابن الاثیر رحمہ اللہ تعالیٰ ان ابا بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما مرض دعا عبد الرحمن یعنی ابن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال لہ اخبرنی عن عمر بن الخطاب، فقال عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ما تسألنی عن امر الا وانت اعلم بہ منی، قال ابوبکر وان، فقال عبد الرحمن ہو واللہ افضل من رأیك فیہ ثم دعا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال اخبرنی عن عمر، فقال انت اخبرنا بہ، فقال علی ذلك یا ابا عبد اللہ، فقال عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہم علمی بہ ان سریرتہ خیر من علانیتہ وان لیس فینا مثلہ، فقال ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یرحمك اللہ واللہ لو ترکتہ ما عدوتك، وشاور معہما سعید بن زید ابا الاعور واسید بن حضیر وغیرہما من المہاجرین والانصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم، فقال اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہم اعلمہ الخیرۃ بعدك یرضی للرضی ویسخط للسخط الذی یسر خیر من الذی یعلن ولن یلی ہذا الامر احد اقوی علیہ منہ (اسد الغابۃ ص۱۶۸ ج۴)

بذریعۂ استخلاف انعقادِ خلافت کی شرائط:

استخلافِ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفصیل مذکور سے ثابت ہوا کہ بذریعۂ استخلاف انعقاد خلافت کے لئے تین شرائط ہیں:

besturdubooks.wordpress.com

(۱) خلیفۂ اوّل میں خلافت کی سب شروط موجود ہوں۔
(۲) خلیفۂ ثانی بھی سب شروط خلافت کا مستجمع ہو۔
(۳) خلیفۂ اوّل نے خلیفۂ ثانی کے انتخاب میں اہل حل وعقد سے مشورہ کیا ہو۔
(۴) شورٰی، خلیفۂ وقت چند اہل حل وعقد کی شورٰی متعین کرکے یہ وصیت کردے کہ میرے بعد یہ لوگ اتفاق رائے سے اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کریں، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی چھ رکنی شورٰی متعین فرمائی، اس کے ذریعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا،

رواہ الامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ عن عمرو بن میمون رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولفظہ قال (عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ما اجد احق بھذا الامر من ھؤلاء النفر او الرھط الذین توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو عنھم راض فسمی علیا وعثمان والزبیر وطلحۃ وسعدا وعبدالرحمٰن ابن عوف، وقال ویشھدکم عبداللہ بن عمر ولیس لہ من الامر شیء کھیئۃ التعزیۃ لہ فان اصابت الامرۃ سعدا فھو ذاک والا فلیستعن بہ ایکم ما امرفانی لم اعزلہ من عجز ولا خیانۃ (وبعد اسطر) فلما فرغ من دفنہ اجتمع ھؤلاء الرھط فقال عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجعلوا امرکم الی ثلثۃ منکم، قال الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد جعلت امری الی علی فقال طلحۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد جعلت امری الی عثمان وقال سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد جعلت امری الی عبدالرحمٰن بن عوف فقال لہ عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایکما تبرأ من ھذا الامر فنجعلہ الیہ واللہ علیہ والاسلام لینظرن افضلھم فی نفسہ فاسکت الشیخان رضی اللہ تعالیٰ عنھما فقال عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ افتجعلونہ الیّ واللہ علیّ ان لا آلوعن افضلکم قالا نعم فاخذ بید احدھما فقال لک قرابۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والقدم فی الاسلام ما قد علمت

besturdubooks.wordpress.com

فاللّٰہ علیك لئن امرتك لتعدلن ولئن امرت عثمان لتسمعن ولتطیعن ثم خلا بالآخر فقال له مثل ذلك فلما اخذ المیثاق قال ارفع یدك یا عثمان فبایعه فبایع له علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه وولج اهل الدار فبایعوه (صحیح البخاری ص ۵۲۵ ج ۱)

انتخاب امیر کے یہی تین طریقے ہیں، البتہ انعقادِ خلافت کا ایک چوتھا طریقہ استیلاء وتغلب بھی ہے، یعنی خلیفۂ وقت کی موت کے بعد کوئی شخص جبرًا وقہرًا مسلط ہو جائے تو اس کی خلافت منعقد ہو جائے گی، اس لئے اس کی اطاعت واجب ہے۔

پھر اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) یہ شخص شروط خلافت کا مستجمع ہو اور لوگوں کو صلح وحسن تدبیر سے مائل کرے، کوئی ناجائز اقدام نہ کرے۔ یہ قسم جائز ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت اسی طرح منعقد ہوئی تھی۔

(۲) اس شخص میں شروطِ خلافت نہ ہوں، اور اپنے مخالفین کو قتال اور دوسرے ناجائز حربوں سے تابع کرے، یہ جائز نہیں، ایسا شخص فاسق اور سخت گنہگار ہے، مگر اس کے باوجود اس کے تسلط کے بعد اسکی اطاعت واجب ہے بشرطیکہ اسکا حکم خلاف شرع نہو۔ اسکی مخالفت اور اسے معزول کرنے کی کوشش کرنا جائز نہیں۔

قال الامام ولی اللّٰہ رحمه اللّٰہ تعالیٰ انعقاد خلافت بچہار طریق واقع شود:

طریق اول بیعت اہل حل وعقد ست از علماء وقضاۃ وامراء ووجوہ ناس کہ حضور ایشاں میسر شود واتفاق اہل حل وعقد جمیع بلاد اسلام شرط نیست زیرا کہ آں ممتنع ست وبیعت یکدو کس فائدہ ندارد زیرا کہ حضرت عمر در خطبہ آخر فرمودہ اند فمن بایع رجلا علی غیر مشورۃ من المسلمین فلا یبایع ہو والذی بایعه تغرۃ ان یقتلا وانعقاد خلافت حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بطریق بیعت بودہ است۔

طریق دوم استخلاف خلیفہ است مستجمع شروط را یعنی خلیفۂ عادل بمقتضائی نصح مسلمین شخصی را از میان مستجمعین شروط خلافت اختیار کند وجمع نماید مردمان را ونص کند باستخلاف وی ووصیت نماید باتباع وی۔ پس ایں شخص میان سائر مستجمعین خصوصیتی پیدا کند وقوم را لازم ست کہ ہماں شخص را خلیفہ سازند، انعقاد خلافت حضرت فاروق رضی اللہ

besturdubooks.wordpress.com

تعالیٰ عنہ بہمیں طریق بود۔

طریق سوم شوریٰ ست و آں آنست کہ خلیفہ شائع گرداند خلافت را در میان جمعی از مستجمعین شروط و گوید از میان ایں جماعہ ہر کرا اختیار کنند خلیفہ او باشد پس بعد موت خلیفہ تشاور کنند و یکی را معین سازند و اگر برائی اختیار شخصی را یا جمعی را معین کند اختیار ہماں شخص یا ہماں جمع معتبر باشد، وانعقاد خلافت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہمیں طریق بود کہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت را در میان شش کس شائع ساختند و آخرہا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ برائے تعیین خلیفہ مقرر شد و وی حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ را اختیار نمود۔

طریق چہارم استیلاء ست چوں خلیفہ بمیرد و شخصی متصدی خلافت گردد بغیر بیعت و استخلاف و ہمہ را برخود جمع سازد بایتلاف قلوب یا بقہر و نصب قتال خلیفہ شود و لازم گردد بر مردماں اتباع فرمان او در آنچہ موافق شرع باشد، و ایں دو نوع ست:

یکی آنکہ مستولی مستجمع شروط باشد و صرف منازعین کند بصلح و تدبیر از غیر ارتکاب محرمی، و ایں قسم جائز ست و رخصت، وانعقاد خلافت معاویۃ بن ابی سفیان بعد حضرت مرتضیٰ و بعد صلح امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم بہمیں نوع بود۔

دیگر آنکہ مستجمع شروط نباشد و صرف منازعین کند بقتال و ارتکاب محرم و آں جائز نیست و فاعل آں عاصی ست لیکن واجب ست قبول احکام او چوں موافق شرع باشد، و اگر عمال او اخذ زکوٰۃ کنند از ارباب اموال ساقط شود و چوں قاضی او حکم نماید نافذ گردد حکم او، ہمراہ او جہاد می تواں کرد، و ایں انعقاد بنا بر ضرورت ست زیرا کہ در عزل او افنائی نفوس مسلمین و ظہور حرج و مرج شدید لازم می آید و بیقین معلوم نیست کہ ایں شداید مفضی شود بصلاح یا نہ، یحتمل کہ دیگری بدتر از اول غالب شود، پس ارتکاب فتن کہ قبح او متیقن بہ ست چرا باید کرد برائے مصلحتے کہ موہوم ست و محتمل، وانعقاد خلافت عبدالملک بن مروان و اول خلفائی بنی عباس بہمیں نوع بود (ازالۃ الخفا ص ۵ مقصد اول)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ ذی الحجہ ۹۹ھ

besturdubooks.wordpress.com

عورت کی سربراہی — اکابر علماء کا فیصلہ

تحریر: مولانا محمد رفیع عثمانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

قرآن و سنت کے واضح ارشادات کی بناء پر یہ بات چودہ سو سال سے فقہاء امت میں مسلمہ اور غیر متنازعہ چلی آئی ہے کہ کسی اسلامی حکومت میں سربراہی کے منصب کی ذمہ داریاں کسی خاتون کو سونپی نہیں جا سکتیں۔ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ نے "مراتب الاجماع" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اُن مسائل کو جمع فرمایا ہے جن پر اُمت کا اجماع و اتفاق رہا ہے۔ اس کتاب میں وہ لکھتے ہیں:

واتفقوا ان الامامة لا تجوز لامرأة (مراتب الاجماع لابن حزم ص ۱۲۶)

"اس بات پر تمام علماء متفق ہیں کہ حکومت کی سربراہی کا منصب کسی عورت کے لئے جائز نہیں ہے۔"

اس اجماع کی بنیاد قرآن و سنت کے بہت سے دلائل پر ہے جنھیں ہم صراحت کی ترتیب سے ذیل میں پیش کرتے ہیں:

(۱) صحیح بخاری وغیرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد متعدد صحیح سندوں سے مروی ہے:

لن یُفلح قومٌ ولّوا امرھم امرأۃً (صحیح البخاری کتاب المغازی باب کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی کسریٰ وقیصر حدیث نمبر ۴۴۲۵، وکتاب الفتن باب الفتنة التی تموج کموج البحر، حدیث نمبر ۷۰۹۹)

"وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جو اپنے معاملات کی ذمہ داری کسی عورت کے سپرد کر دے۔"

اسی حدیث میں یہ بھی صراحت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی تھی جب ایران کے باشندوں نے ایک عورت کو اپنا سربراہ بنا لیا تھا۔ لہٰذا یہ حدیث عورت کو سربراہ بنانے کے عدم جواز پر واضح دلیل ہے۔

besturdubooks.wordpress.com

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا کانت امراؤکم خیارکم واغنیاؤکم سمحاءکم وامورکم شوری بینکم فظهر الارض خیر لکم من بطنها، واذا کانت امراؤکم شرارکم واغنیاؤکم بخلاءکم وامورکم الی نساءکم فبطن الارض خیر لکم من ظهرها (جامع الترمذی ابواب الفتن ص۵۲ ج۲)

"جب تمہارے حکام تم میں بہترین لوگ ہوں، اور تمہارے دولت مند لوگ تم میں سے سخی لوگ ہوں، اور تمہارے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہوں تو زمین کی پشت تمہارے لئے اس کے پیٹ سے بہتر ہے، اور جب تمہارے حکام تم میں بدترین لوگ ہوں، تمہارے دولت مند لوگ تم میں کے بخیل لوگ ہوں، اور تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے سپرد ہو جائیں تو زمین کا پیٹ تمہارے لئے اس کی پشت سے بہتر ہوگا۔"

یہ حدیث بھی اس قدر واضح ہے کہ اس کی کسی تشریح کی ضرورت نہیں۔

(۳) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کہیں بھیجا تھا، وہاں سے کوئی شخص فتح کی خوشخبری لے کر آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح کی خوشخبری سنکر سجدے میں گر گئے، اور سجدے کے بعد پیغام لانے والے سے تفصیلات معلوم فرمانے لگے، اس نے تفصیلات بیان کیں:

فکان فیما حدثه من امر العدو وکانت تلیهم امرأة فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم هلکت الرجال حین اطاعت النساء (مستدرک الحاکم ص۲۹۱ ج۴ کتاب الادب باب سجدة الشکر)

"ان تفصیلات میں اس نے دشمن کے بارے میں یہ بھی بتایا کہ ان کی سربراہی ایک عورت کر رہی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنکر فرمایا: "جب مرد عورتوں کی اطاعت کرنے لگیں تو وہ تباہ وبرباد ہیں۔"

اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح الاسناد قرار دیا ہے، اور حافظ ذہبی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔

(۴) قرآن کریم کا ارشاد ہے:

besturdubooks.wordpress.com

اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ،
(سورۃ النساء)

"مرد عورتوں پر قوّام (نگراں، حاکم) ہیں بوجہ اس فضیلت کے جو اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر دی ہے"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر قوّامیت کا مقام مرد کو دیا ہے۔ اگرچہ براہِ راست یہ آیت خانگی اُمور سے متعلق معلوم ہوتی ہے، لیکن اوّل تو آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو اس کو خانگی اُمور کے ساتھ خاص کرتا ہو، دوسرے یہ ایک بدیہی بات ہے کہ جس صنف کو اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹے سے گھر کی ذمہ داری نہیں سونپی، اسکو تمام گھروں کے مجموعے اور پورے ملک کی سربراہی کی ذمہ داری کیسے سونپی جا سکتی ہے؟ لہٰذا یہ آیت اگر عبارۃ النص کے طور پر نہیں تو دلالۃ النص کے طور پر یقیناً اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کو کسی اسلامی ملک کا سربراہ نہیں بنایا جا سکتا۔

⑤ سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے عورت کا دائرہ عمل واضح طور سے بیان فرمایا ہے، ارشاد ہے:

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى ،

"اور اپنے گھروں میں قرار کے ساتھ رہو، اور پچھلی جاہلیت کی طرح بن سنور کر باہر نہ جاؤ"

اس آیت میں واضح طور سے بتا دیا گیا ہے کہ عورت کی اصل ذمہ داری اس کے گھر کی ذمہ داری ہے، اسے باہر کی جدوجہد سے یکسو ہو کر اپنے گھر کی اصلاح اور اپنے گھرانے کی تربیت کا فریضہ انجام دینا چاہئے جو درحقیقت پوری قوم اور معاشرے کی بنیاد ہے۔ لہٰذا گھر سے باہر کی کوئی ذمہ داری (استثنائی حالات کو چھوڑ کر) بحیثیت اصول کسی عورت کو نہیں سونپی جا سکتی۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ خطاب خاص طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے لئے ہوا تھا، ہر عورت اس کی مخاطب نہیں ہے۔ لیکن یہ بات اس قدر بدیہی طور پر غلط ہے کہ اس کی تردید کے لئے کسی طویل بحث کی ضرورت نہیں۔ اوّل تو قرآن کریم نے اس جگہ ازواجِ مطہرات کو خطاب فرماتے ہوئے بہت سی باتوں کی تاکید

besturdubooks.wordpress.com

فرمائی ہے، مثلاً یہ کہ وہ تقویٰ اختیار کریں، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں، فحش باتوں سے بچیں، وغیرہ وغیرہ۔ ان میں سے کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں ہے جس کے بارے میں کوئی ہوش مند یہ کہہ سکے کہ یہ حکم صرف ازواج مطہرات کے لئے ہے، کسی دوسری عورت کے لئے نہیں ہے، جب یہ سارے احکام تمام عورتوں کے لئے ہیں تو گھر میں قرار سے رہنے کا یہ ایک حکم ہی ازواج مطہرات کے ساتھ کیوں مخصوص ہے؟

دوسرے، اس بات میں کون مسلمان شک کر سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات اپنی علمی اور عملی صلاحیتوں کے لحاظ سے اُمت کی افضل ترین خواتین تھیں اور پوری اُمت کی مائیں تھیں، اگر اسلام میں سیاست وحکومت اور معیشت واقتصاد کی ذمہ داری کسی خاتون کو سونپنا جائز ہوتا تو ان مقدس خواتین سے زیادہ کوئی خاتون اس ذمہ داری کے لئے مناسب نہیں ہو سکتی تھی۔ جب قرآنِ کریم نے اُن کو ایسی ذمہ داریاں لینے سے منع کر کے انھیں صرف گھر کی حد تک محدود رہنے کا حکم دیا تو پھر کون عورت ایسی ہو سکتی ہے جس کے بارے میں یہ کہا جا سکے کہ جس وجہ سے ازواجِ مطہرات کو گھر میں قرار سے رہنے کا حکم دیا گیا تھا، وہ وجہ اس میں موجود نہیں ہے۔

(٦) سورۂ احزاب میں قرآن کریم نے عورت کا جو دائرہ کار بیان فرمایا ہے اسی کی تشریح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اس طرح فرمائی ہے:

والمرأة راعية على اهل بيت زوجها وولده وهي مسئولة عنهم
(صحيح البخاري، كتاب الاحكام باب ۱، حديث نمبر ۷۱۳۸،
وكتاب الجمعة باب الجمعة في القرى والمدن حديث نمبر ۸۹۳،
مزید دیکھئے حدیث نمبر ۲۴۰۹، ۲۴۵۴، ۲۵۵۸، ۲۷۵۱، ۵۱۸۸، ۵۲۰۰)

"اور عورت اپنے شوہر کے گھر والوں اور اس کی اولاد پر نگراں ہے، اور وہی اس کی ذمہ دار ہے۔"

اس حدیث میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ عورت کی ذمہ داری گھر کے نظام کی دیکھ بھال، اولاد کی تربیت اور خانگی اُمور کا انتظام ہے۔ اس کو گھر سے باہر کی کوئی ذمہ داری نہیں سونپی گئی۔

(۷) اسلام میں "حکومت کی سربراہی" اور "نماز کی امامت" دونوں اس درجہ

besturdubooks.wordpress.com

لازم وملزوم ہیں کہ "حکومت کی سربراہی" کو بھی شریعت کی اصطلاح میں "امامت" ہی کہا جاتا ہے، اور "امام" کا لفظ جس طرح نماز پڑھانے والے کے لئے استعمال ہوتا ہے اسی طرح "سربراہِ حکومت" کو بھی امام کہا جاتا ہے۔ قرآن وحدیث میں بہت سے مقامات پر سربراہِ حکومت کو اسی لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ امامت کے دونوں معنی میں اس طرح فرق کرتے ہیں کہ نماز کی امامت کو "امامتِ صغریٰ" (چھوٹی امامت) اور حکومت کی سربراہی کو "امامتِ کبریٰ" (بڑی امامت) کہتے ہیں۔

ادھر یہ بات طے شدہ ہے اور اس سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ عورت نماز میں مردوں کی امامت نہیں کرسکتی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو چھوٹے درجے کی امامت کی ذمہ داری نہیں سونپی، تو بڑے درجے کی امامت اس کو کیسے سونپی جاسکتی ہے؟

اسلام میں نماز کا حکومت کی سربراہی سے کس قدر گہرا تعلق ہے؟ اس کا اندازہ چند مندرجۂ ذیل امور سے لگایا جاسکتا ہے:

(الف) زمین کے کسی حصے پر اقتدار حاصل کرنے کے بعد مسلمان حکمران کا سب سے پہلا فریضہ "اقامتِ صلوٰۃ" کو قرار دیا گیا ہے، ارشاد ہے:

الَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ،

"وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں"

(ب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم تک، بلکہ اس کے بعد بھی صدیوں تک یہ متواتر عمل جاری رہا ہے کہ جس مجمع میں سربراہِ حکومت موجود ہو، اس میں نماز کی امامت وہی کرتا ہے۔ چنانچہ تمام مکاتبِ فکر کے فقہاء اس پر متفق ہیں کہ نماز کی امامت کا سب سے پہلا حق مسلمان سربراہِ حکومت کو پہنچتا ہے، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرضِ وفات کی وجہ سے مسجد میں آنے سے معذور ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی جگہ نماز کی امامت کے لئے مقرر فرمایا، اور اس سے

besturdubooks.wordpress.com

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہی سمجھا کہ ان کو "امامتِ صغریٰ" سپرد کرنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد "امامتِ کبریٰ" یعنی حکومت کی سربراہی کے لئے بھی سب سے زیادہ اہل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

ما غضبنا الا لانا قد اخرنا عن المشاورة وانا نری ابا بکر احق الناس بها بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، وانه لصاحب الغار، وثانی اثنین، وانا نعلم بشرفه وکبره، ولقد امره رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالصلوٰة بالناس وهو حی (مستدرك الحاکم ص ٦٦ ج ٣ وقال صحیح علی شرط الشیخین، واقره الذهبی)

"ہماری ناگواری کی وجہ صرف یہ تھی کہ ہمیں مشورے میں شریک نہیں کیا گیا، ورنہ ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سربراہی کا سب سے زیادہ مستحق سمجھتے ہیں، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غار کے ساتھی ہیں، دو میں سے دوسرے ہیں، ہم ان کے شرف اور عظمت سے واقف ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زندگی میں ان کو نماز کی امامت کا حکم دیا تھا"

(ج) سربراہِ حکومت کے لئے امامتِ نماز کا استحقاق شریعت میں اس درجہ اہمیت رکھتا ہے کہ نمازِ جنازہ کی امامت میں سربراہِ حکومت کو مرنے والے کے ورثاء پر بھی فوقیت دی گئی ہے، اور یہ بات طے شدہ ہے کہ اگر نمازِ جنازہ میں سربراہِ حکومت موجود ہو تو نماز کی امامت کا پہلا حق اس کا ہے، اس کے بعد ورثاء کا۔

ان تمام احکام سے یہ بات واضح ہے کہ اسلام میں حکومت کی سربراہی کے ساتھ نماز کی امامت کا اتنا گہرا تعلق ہے کہ اسلام میں کسی ایسے سربراہ کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا جو کسی بھی حالت میں امامتِ نماز کا اہل نہ ہو، اور عورت خواہ تقویٰ اور طہارت کے کتنے بلند مقام پر فائز ہو، چونکہ نماز میں مردوں کی امامت نہیں کر سکتی، اس لئے اس کو امامتِ کبریٰ یا حکومت کی سربراہی کی ذمہ داری بھی نہیں سونپی جا سکتی۔

(٨) اسلام کے تمام احکام میں یہ بات قدرِ مشترک کے طور پر واضح طور سے نظر آتی ہے کہ عورت کو ایک ایسی "متاعِ پوشیدہ" قرار دیا گیا ہے جس کا بلا ضرورت مجمعِ عام

besturdubooks.wordpress.com

میں آنا کسی بھی حالت میں پسند نہیں کیا گیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشيطان (جامع الترمذی ابواب النکاح حدیث نمبر ۱۱۸۳)

"عورت پوشیدہ چیز ہے، چنانچہ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے۔"

اسی لئے عورت کو پردے کا حکم دیا گیا ہے، اور عام مسلمانوں کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ:

واذا سألتموهن متاعاً فاسئلوهن من وراء حجاب (سورة الاحزاب)

"اور جب تم ان سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو۔"

اسلام کے وہ بہت سے احکام وشعائر جن کی بجا آوری گھر سے باہر نکلنے پر موقوف ہے، ان سے خواتین کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً جمعہ کی نماز کتنی فضیلت کی چیز ہے، اور مردوں کو اس میں شامل ہونے کی کس قدر تاکید قرآن وحدیث میں آئی ہے، لیکن ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا کہ:

الجمعة حق واجب على كل مسلم فى جماعة الا اربعة عبد مملوك او امرأة او صبى او مريض (سنن ابوداؤد باب الجمعة للمملوك والمرأة حديث نمبر ۱۰۶۷)

"جمعہ ایک ایسا فریضہ ہے جس کو جماعت کے ساتھ انجام دینا ہر مسلمان پر واجب ہے، سوائے چار آدمیوں کے: ایک غلام جو کسی کے زیر ملکیت ہو، دوسرے عورت، تیسرے بچہ، چوتھے بیمار"

اس حدیث میں جمعہ جیسے اسلامی شعار سے عورت کو مستثنیٰ قرار دیدیا گیا ہے۔

اسی طرح عام حالات میں ہر مسلمان کا یہ حق بتایا گیا ہے کہ اس کے انتقال کے موقع پر دوسرے مسلمان اس کے جنازے کے ساتھ قبرستان تک جائیں۔ لیکن خواتین کو اس حکم سے بھی مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

نهينا عن اتباع الجنائز (صحیح بخاری ص ۱۷۰ ج ۱ باب اتباع النساء الجنازة)

besturdubooks.wordpress.com

"ہمیں جنازوں کے پیچھے جانے سے منع کیا گیا۔"

اسی طرح عورت کو تنہا سفر کرنے سے منع کیا گیا، اور تاکید کی گئی کہ وہ کسی محرم کے بغیر سفر نہ کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا یحل لامرأة تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تسافر سفرا یکون ثلاثة ایام فصاعدا الا ومعها ابوها او اخوها او زوجها او ابنها او ذو محرم منها (جامع الترمذی کتاب النکاح باب کراهیة ان تسافر المرأة وحدها، حدیث نمبر ۱۱۶۹)

"جو عورت اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو، اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ تین دن (کی مسافت کا) یا اس سے زائد کا کوئی سفر کرے، الّا یہ کہ اس کا باپ یا بھائی یا شوہر یا بیٹا یا کوئی اور محرم اس کے ساتھ ہو۔"

یہاں تک کہ حج جیسا مقدس فریضہ جو اسلام کے چار ارکان میں سے ایک ہے، اس کی ادائیگی کے لئے بھی محرم کا ساتھ ہونا شرط ہے، اور عورت کا تنہا سفرِ حج پر جانا کسی کے نزدیک جائز نہیں، ایسی صورت میں اس پر سے حج کی ادائیگی ساقط ہو جاتی ہے۔ مرتے وقت تک ایسا محرم نہ ملے تو حج نہ کرے، البتہ حج بدل کی وصیت کر جائے۔

جہاد اسلام کے ارکان میں سے کتنا اہم رُکن ہے؟ اور اس کے فضائل سے قرآن و حدیث بھرے ہوئے ہیں، لیکن چونکہ یہ گھر سے باہر کا کام ہے، اس لئے جہاد کا فریضہ بھی خواتین سے ساقط کر دیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بعض احادیث میں مروی ہے:

لیس علی النساء غزو ولا جمعة ولا تشییع جنازة (مجمع الزوائد ص ۱۷۰ ج ۲ بحوالہ طبرانی وفیہ مجاهیل والفتح الکبیر للنبهانی ص ۶۱ ج ۳)

"عورتوں پر نہ جہاد فرض ہے، نہ جمعہ، نہ جنازہ کے پیچھے جانا۔"

یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جہاد کے شوق کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال فرمایا کہ:

یغزو الرجال ولا نغزو والنساء،

"مرد جہاد کرتے ہیں عورتیں جہاد نہیں کرتیں"؟

besturdubooks.wordpress.com

اس پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی کہ :

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (جامع الترمذی کتاب التفسیر سورۃ النساء حدیث نمبر ۳۰۱۱ ومسند احمد ص ۳۲۲ ج ۶)

"اور ان چیزوں کی تمنا نہ کرو جن میں اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔"

یہ واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بعض خواتین جہاد میں زخمیوں کی مرہم پٹی وغیرہ کے لئے ساتھ گئی ہیں، لیکن کہنا یہ ہے کہ اول تو ان پر جہاد باقاعدہ فرض نہیں کیا گیا، دوسرے ان کو باقاعدہ لڑائی میں شامل نہیں کیا گیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔

وقد کان یغزو بھن فیداوین الجرحی ویحذین من الغنیمۃ واما بسھم فلم یضرب لھن (صحیح مسلم کتاب الجہاد باب النساء الغازیات حدیث نمبر ۴۶۸۴)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو جہاد میں لے جاتے، اور وہ زخمیوں کا علاج کرتیں، اور انھیں مال غنیمت میں سے کچھ بطور انعام دیا جاتا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے مال غنیمت کا باقاعدہ حصہ نہیں لگایا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں اگرچہ خواتین کو رات کے وقت مسجد نبوی میں آکر باجماعت نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی، لیکن اس اجازت کے ساتھ ہی یہ فرمادیا تھا کہ :

وبیوتھن خیر لھن (سنن ابوداؤد کتاب الصلاۃ باب خروج النساء الی المساجد حدیث نمبر ۵۶۷، ۵۶۸)

"اور ان کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں۔"

جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ عورتوں کے لئے گھر میں تنہا نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے زیادہ افضل ہے، جبکہ مردوں کے لئے سخت عذر کے بغیر مسجد کی جماعت ترک کرنا جائز نہیں، بلکہ عورتوں کے بارے میں یہاں تک فرمایا کہ :

besturdubooks.wordpress.com

صلاۃ المرأۃ فی بیتھا افضل من صلاتھا فی حجرتھا، وصلاتھا فی مخدعھا افضل من صلاتھا فی بیتھا (سنن ابوداؤد، حدیث نمبر ۵۷۰)

"عورت کا کمرے میں نماز پڑھنا برآمدے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور اندرونی کمرے میں نماز پڑھنا بیرونی کمرے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔"

ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ:

(الف) عورت پر جمعہ واجب نہیں۔

(ب) عورت کے لئے بغیر محرم کے سفر جائز نہیں۔

(ج) عورت پر تنہا ہونے کی صورت میں حج کی ادائیگی فرض نہیں، مرتے دم تک محرم نہ ملے تو حج بدل کی وصیت کرے۔

(د) عورت پر جہاد فرض نہیں۔

(ھ) عورت کے ذمے جماعت سے نماز پڑھنا واجب نہیں۔

(و) عورت کا گھر میں تنہا نماز پڑھنا باہر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

اب غور کرنے کی بات ہے کہ جس دین نے عورت کے تقدس اور اس کی حرمت کی حفاظت کے لئے جگہ جگہ اتنا اہتمام کیا ہے کہ اس کے لئے دین کے اہم ترین ارکان اور شعائر کو بھی اس کے حق میں ساقط کردیا ہے، اس کے بارے میں یہ کیسے تصوّر کیا جاسکتا ہے کہ وہ ملک و قوم کی اہم ترین ذمہ داری عورت کو سونپ کر اُسے نہ صرف پورے ملک بلکہ پوری دُنیا کے سامنے لاکھڑا کرے گا، اور اسے وہ تمام کام اجتماعی طور پر سونپ دیگا جن کی ذمہ داری اس پر انفرادی طور سے بھی نہیں عائد ہوتی۔

⑨ نبی کریم سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک سے لیکر خلافتِ راشدہ بلکہ خلافت راشدہ کے بعد بھی صدیوں تک خلیفہ اور سربراہِ حکومت کا انتخاب اُمّت کا اہم ترین سیاسی مسئلہ بنا رہا، ایک خلیفہ کے بعد دوسرے خلیفہ کے انتخاب کے وقت ہر موقع پر بہت سی تجویزیں سامنے آئیں۔ اس دَور میں بیشمار ایسی خواتین موجود تھیں جو اپنے علم و فضل، تقدّس و تقویٰ اور عقل و خرد کے لحاظ سے ممتاز مقام کی حامل تھیں،

besturdubooks.wordpress.com

لیکن نہ صرف یہ کہ کبھی کسی خاتون کو سربراہِ حکومت نہیں بنایا گیا، بلکہ کوئی ادنیٰ درجے کی تجویز بھی ایسی سامنے نہیں آئی کہ فلاں خاتون کو سربراہ مقرر کردیا جائے، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس سلسلے میں قرآن وسنت کے احکام اس درجہ واضح تھے کہ کبھی کسی مسلمان کے دل میں عورت کو سربراہ بنانے کا کوئی خیال تک نہیں آیا، اور آ بھی کیسے سکتا تھا جبکہ اسلام میں کسی ایسے سربراہ کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا جو :

- کسی بھی حالت میں کبھی نماز کی امامت نہ کرسکے۔
- جس کا جماعت سے نماز پڑھنا پسندیدہ نہ ہو۔
- جو اگر کبھی جماعت میں شامل ہو تو اسے تمام مردوں کے پیچھے کھڑا ہونا پڑے۔
- جس پر ہر مہینے چند روز ایسے گزرتے ہوں جب اس کے لئے مسجد میں داخل ہونا بھی جائز نہیں۔
- جس پر جمعہ فرض نہ ہو۔
- جس کے لئے کسی جنازے کے ساتھ جانا جائز نہ ہو۔
- جو بغیر محرم کے سفر نہ کرسکے۔
- جو تنہا حج نہ کرسکے۔
- جس پر جہاد فرض نہ ہو۔
- جس کی گواہی آدھی گواہی سمجھی جائے۔
- جس کے لئے بلا ضرورت گھر سے نکلنا جائز نہ ہو۔
- جس کا نان ونفقہ شادی سے پہلے باپ پر اور شادی کے بعد شوہر پر واجب ہو۔
- اور حد یہ ہے کہ جسے اپنے گھر میں بھی سربراہی کا منصب حاصل نہ ہو۔

قرآنِ کریم کی رُو سے تو یہ واضح ہے ہی، لیکن آزادئ نسواں کا ڈھنڈورا پیٹنے والے اس دَور میں بھی کوئی ایسا معاشرہ روئے زمین پر ہمارے علم میں نہیں ہے جہاں شوہر کے ہوتے ہوئے عورت کو "سربراہِ خاندان" قرار دیا گیا ہو۔

اجماعِ اُمّت :

قرآن وسُنّت کے مذکورہ بالا دلائل کی وجہ سے اب تک چودہ صدیوں کے ہر دَور میں

besturdubooks.wordpress.com

اُمّتِ مسلمہ کا اس بات پر اجماع رہا ہے کہ اسلام میں سربراہِ حکومت کی ذمّہ داری کسی عورت کو نہیں سونپی جا سکتی۔ اور اجماعِ اُمت شریعت کی ایک مستقل دلیل ہے۔

اجماع کے ثبوت کے لئے اس تحریر کے شروع میں ہم علامہ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ کا اقتباس پیش کر چکے ہیں، انھوں نے جو کتاب صرف اجماعی مسائل کی تحقیق کے لئے لکھی ہے، اس میں فرمایا ہے کہ:

واتفقوا علی ان الامامۃ لا تجوز لامرأۃ

"تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ حکومت کی سربراہی کسی عورت کے لئے جائز نہیں ہے"

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے باخبر عالم نے "نقد مراتب الاجماع" کے نام سے علامہ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ کتاب پر ایک تنقید لکھی ہے، اور بعض ان مسائل کا ذکر فرمایا ہے جنھیں علامہ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اجماعی قرار دیا ہے، لیکن علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق وہ اجماعی نہیں ہیں، بلکہ ان میں کسی نہ کسی کا اختلاف موجود ہے۔ اس کتاب میں بھی انھوں نے عورت کی سربراہی کے مسئلے میں علامہ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہیں کیا (نقد مراتب الاجماع لابن تیمیۃ ص ۱۲۶)

ان حضرات کے علاوہ جن علماء و فقہاء اور اسلامی سیاست کے ماہرین نے اسلام کے سیاسی نظام پر کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے ہر ایک نے اس مسئلے کو ایک متفقہ مسئلے کے طور پر ذکر کیا ہے۔

علامہ ماوردی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اسلامی سیاست کا اہم ترین مأخذ سمجھی جاتی ہے اس میں انھوں نے حکومت کی سربراہی تو کُجا، عورت کو وزارت کی ذمہ داری سونپنا بھی ناجائز قرار دیا ہے، بلکہ انھوں نے وزارت کی دو قسمیں کی ہیں، ایک وزارتِ تفویض جس میں پالیسی کا تعین بھی وزیر کا کام ہوتا ہے، اور دوسری وزارتِ تنفیذ جو پالیسی کا تعین نہیں کرتی، بلکہ طے شدہ پالیسی کو نافذ کرتی ہے۔ انھوں نے بتایا ہے کہ وزارتِ تنفیذ میں اہلیت کی شرائط وزارتِ تفویض کے مقابلے میں کم ہیں، اس کے باوجود وہ عورت کو وزارتِ تنفیذ کی ذمّہ داری سونپنا بھی جائز قرار نہیں دیتے، وہ لکھتے ہیں:

واما وزارۃ التنفیذ فحکمها اضعف وشروطها اقل ...... ولا

besturdubooks.wordpress.com

یجوز ان تقوم بذلک امرأۃ وان کان خبرھا مقبولا لما تضمنہ معنی الولایات المصروفۃ عن النساء لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما افلح قوم اسندوا امرھم الی امرأۃ ولان فیھا من طلب الرأی وثبات العزم ما تضعف عنہ النساء ومن الظھور فی مباشرۃ الامور ما ھو علیھن محظور (الاحکام السلطانیۃ للماوردی ص ۲۵ تا ۲۷ والاحکام السلطانیۃ لابی یعلی ص ۳۱)

"جہاں تک وزارت تنفیذ کا تعلق ہے، وہ نسبۃً کمزور ہے، اور اسکی شرائط کم ہیں.... لیکن یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی عورت اس کی ذمہ دار بنے اگرچہ عورت کی خبر مقبول ہے، کیونکہ یہ وزارت ایسی ولایتوں پر مشتمل ہے جن کو (شریعت نے) عورتوں سے الگ رکھا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جو قوم اپنے معاملات کسی عورت کے سپرد کرے وہ فلاح نہیں پائے گی" نیز اس لئے بھی کہ وزارت کے لئے جو اصابتِ رائے اور اولوالعزمی درکار ہے، عورتوں میں اس کے لحاظ سے ضعف پایا جاتا ہے، نیز اس وزارت کے فرائض انجام دینے کے لئے ایسے انداز سے لوگوں کے سامنے ظاہر ہونا پڑتا ہے جو عورتوں کے لئے شرعًا ممنوع ہے"

اسلام کے سیاسی نظام پر دوسرا اہم مأخذ امام ابویعلی حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں، انھوں نے بھی اپنی کتاب میں لفظ بہ لفظ یہی عبارت تحریر فرمائی ہے۔

امام الحرمین علامہ جُوینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے سیاسی نظام پر بڑے معرکے کی کتابیں لکھی ہیں، وہ نظام الملک طوسی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے نیک نام حاکم کے زمانے میں تھے، اور انہی کی درخواست پر انھوں نے اسلام کے سیاسی احکام پر اپنی مجتہدانہ کتاب "غیاث الامم" تحریر فرمائی ہے، اس میں وہ سربراہِ حکومت کی شرائط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن الصفات اللازمۃ المعتبرۃ الذکورۃ والحریۃ ونحیزۃ العقل والبلوغ ولاحاجۃ الی الاطناب فی نصب الدلالات علی اثبات ھذہ الصفات (غیاث الامم للجوینی ص ۸۲ مطبوعہ قطر)

besturdubooks.wordpress.com

"اور جو لازمی صفات سربراہ کے لئے شرعاً معتبر ہیں، ان میں سے اسکا مذکر ہونا، آزاد ہونا اور عاقل و بالغ ہونا بھی ہے، اور ان شرائط کو ثابت کرنے کے لئے تفصیلی دلائل پیش کر کے طول دینے کی ضرورت نہیں۔"

یہی امام الحرمین رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی ایک دوسری کتاب "الارشاد" میں تحریر فرماتے ہیں:

واجمعوا ان المرأة لایجوز ان تکون اماما وان اختلفوا فی جواز کونها قاضیة فیما یجوز شهادتها فیه (الارشاد فی اصول الاعتقاد لامام الحرمین الجوینی ص۳۵۹ و ص۴۲۷ طبع مصر)

"اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عورت کے لئے سربراہ حکومت بننا جائز نہیں، اگرچہ اس میں اختلاف ہے کہ جن امور میں اس کی گواہی جائز ہے ان میں وہ قاضی بن سکتی ہے یا نہیں۔"

علامہ قلقشندی رحمہ اللہ تعالیٰ ادب و انشاء اور تاریخ و سیاست کے امام سمجھے جاتے ہیں، انہوں نے اسلام کے اصولِ سیاست پر جو کتاب لکھی ہے، اس میں انھوں نے سربراہِ حکومت کی چودہ صفاتِ اہلیت بیان کی ہیں، ان شرائط کے آغاز ہی میں وہ فرماتے ہیں:

الاول: الذکورة ..... والمعنی فی ذلك ان الامام لایستغنی عن الاختلاط بالرجال والمشاورة معهم فی الامور والمرأة ممنوعة من ذلك ولان المرأة ناقصة فی امر نفسها حتی لا تملك النكاح فلا تجعل الیها الولایة علی غیرها۔

"پہلی شرط مذکر ہونا ہے، اور اس حکم کی حکمت یہ ہے کہ سربراہِ حکومت کو مردوں کے ساتھ اختلاط اور ان کے ساتھ مشوروں وغیرہ کی ضرورت پیش آتی ہے اور عورت کے لئے یہ باتیں ممنوع ہیں، اس کے علاوہ عورت اپنی ذات کی ولایت میں بھی کمزور ہے، یہانتک کہ وہ نکاح کی ولی نہیں بن سکتی، لہٰذا اس کو دوسروں پر بھی ولایت نہیں دی جاسکتی۔"

امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ پانچویں صدی ہجری کے مشہور مفسر، محدث اور فقیہ ہیں،

besturdubooks.wordpress.com

وہ تحریر فرماتے ہیں :

اتفقوا علی ان المرأۃ لا تصلح ان تکون اماما.... لان الامام یحتاج الی الخروج لاقامۃ امر الجهاد والقیام بامور المسلمین ..... والمرأۃ عورۃ لا تصلح للبروز (شرح السنۃ للبغوی ص ۷۷ ج ۱۰ باب کراهیۃ تولیۃ النساء طبع بیروت سنہ ۱۴۰۳ھ)

"اس بات پر اُمّت کا اتفاق ہے کہ عورت سربراہ حکومت نہیں بن سکتی .. .... کیونکہ امام کو جہاد کے معاملات انجام دینے اور مسلمانوں کے اُمور نمٹانے کے لئے باہر نکلنے کی ضرورت پڑتی ہے، اور عورت پوشیدہ رہنی چاہئے اس کا مجمعِ عام میں ظاہر ہونا درست نہیں"

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

وهذا نص فی ان المرأۃ لا تکون خلیفۃ ولا خلاف فیہ (احکام القرآن لابن العربی ص ۱۴۴۵ ج ۳ سورۃ النمل)

"اور یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ عورت خلیفہ نہیں ہوسکتی، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں"

علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی تفسیر میں ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ اقتباس نقل کرکے اس کی تائید کی ہے اور بتایا ہے کہ اس مسئلے میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ (تفسیر القرطبی ص ۱۸۳ ج ۱۳ سورۃ النمل)

اور امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

الرابع الذکوریۃ فلا تنعقد الامامۃ لامرأۃ وان اتصفت بجمیع خلال الکمال وصفات الاستقلال (فضائح الباطنیۃ للغزالی ص ۱۸۰ مأخوذ از عبد اللہ الدمیجی، الامامۃ العظمی ص ۲۴۵)

"سربراہی کی چوتھی شرط مذکر ہونا ہے، لہٰذا کسی عورت کی امامت منعقد نہیں ہوتی، خواہ وہ تمام اوصافِ کمال سے متصف ہو، اور اس میں استقلال کی تمام صفات پائی جاتی ہوں"

besturdubooks.wordpress.com

عقائد وکلام کی تقریباً تمام کتابیں امامت وسیاست کے احکام سے بحث کرتی ہیں، اور سب نے مذکر ہونے کی شرط کو ایک اجماعی شرط کے طور پر ذکر کیا ہے۔ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں :

یشترط فی الامام ان یکون مکلفا حرا ذکرا عدلا۔ (شرح المقاصد ص ۲۷۷ ج ۲)

"سربراہِ حکومت کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ عاقل بالغ ہو، آزاد ہو، مذکر ہو، اور عادل ہو۔"

فقہاء ومحدثین اور اسلامی سیاست کے علماء کے یہ چند اقتباسات محض مثال کے طور پر پیش کر دیے گئے ہیں، ورنہ جس کتاب میں بھی اسلام میں سربراہی کی شرائط بیان کی گئی ہیں، وہاں مذکر ہونے کو ایک اہم شرط کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، اگر کسی نے یہ شرط ذکر نہیں کی تو اس بناء پر کہ یہ عاقل وبالغ ہونے کی شرط کی طرح اتنی مشہور ومعروف شرط تھی کہ اُسے باقاعدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، ورنہ اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

عہد حاضر کے بعض محققین جنہوں نے اسلامی سیاست کے موضوع پر کتابیں لکھی ہیں وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ عورت کے سربراہ بننے کے عدم جواز پر اُمت کا اجماع ہے چند اقتباسات ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد منیر عجلانی لکھتے ہیں :

لا نعرف بین المسلمین من اجاز خلافۃ المرأۃ فالاجماع فی ھذہ القضیۃ تام لم یشذ عنہ احد (عبقریۃ الاسلام فی اصول الحکم ص ۷۰ مطبوعہ دار النفائس بیروت سنہ ۱۴۰۵ھ)

"ہمیں مسلمانوں میں کوئی ایسا عالم معلوم نہیں ہے جس نے عورت کی خلافت کو جائز کہا ہو، لہٰذا اس مسئلے میں مکمل اجماع ہے جس کے خلاف کوئی شاذ قول بھی موجود نہیں۔"

ڈاکٹر محمد ضیاء الدین الریس نے اسلام کے سیاسی احکام پر بڑی تحقیق کے ساتھ مبسوط کتاب لکھی ہے، اس میں وہ لکھتے ہیں :

besturdubooks.wordpress.com

اذا كان قد وقع بينهم خلاف فيما يتعلق بالقضاء فلم يرو عنهم خلاف فيما يتعلق بالامامة ، بل الكل متفق على انه لايجوزان يليها امرأة (النظريات السياسية الاسلامية ص ۲۹۴ مطبوعہ دار التراث القاهرة سنة ۱۹۷۶ء)

"اگرچہ فقہاء کے درمیان قضاء کے بارے میں تو اختلاف ہوا ہے (کہ عورت قاضی بن سکتی ہے یا نہیں) لیکن حکومت کی سربراہی کے بارے میں کوئی اختلاف مروی نہیں، بلکہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ کسی عورت کا سربراہی کے منصب پر فائز ہونا جائز نہیں۔"

ڈاکٹر ابراہیم یوسف مصطفی عجو لکھتے ہیں:

مما اجمعت عليه الامة على ان المرأة لايجوز لها ان تلي رياسة الدولة (تعليق تهذيب الرياسة وترتيب السياسة للقلعي ص ۸۲)

"اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ عورت کے لئے ریاست کی سربراہی سنبھالنا جائز نہیں۔"

عبداللہ بن عمر بن سلیمان الدمیجی لکھتے ہیں:

من شروط الامام ان يكون ذكرا ولاخلاف فى ذلك بين العلماء (الامامة العظمى عند اهل السنة ص ۲۴۳)

"سربراہ حکومت کی شرائط میں یہ بات داخل ہے کہ وہ مذکر ہو اور اس میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔"

عہد حاضر کے مشہور مفسر قرآن علامہ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ تعالی تحریر فرماتے ہیں:

من شروط الامام الاعظم كونه ذكرا ولاخلاف فى ذلك بين العلماء (اضواء البيان فى تفسير القرآن بالقرآن ص ۶۵ ج ۱)

"امام اعظم (سربراہ حکومت) کی شرائط میں اس کا مذکر ہونا بھی داخل ہے، اور اس میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔"

اگر اس موضوع پر تاریخ اسلام کے ائمہ مفسرین، فقہاء، محدثین، متکلمین اور اہل فکر و دانش کی تمام عبارتیں جمع کی جائیں تو یقیناً ان سے ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے،

besturdubooks.wordpress.com

لیکن یہ چند مثالیں یہ بات ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ اس مسئلے پر علماء اسلام کے درمیان اب تک چودہ صدیوں میں کوئی اختلاف نہیں رہا۔

حافظ ابن جریر طبری کا مسلک:

ہمارے زمانے میں بعض لوگوں نے مشہور مفسر قرآن حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف غلط طور سے یہ بات منسوب کی ہے کہ وہ عورت کی سربراہی کے جواز کے قائل ہیں، لیکن کوئی بھی شخص امام ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ کا کوئی اپنا اقتباس پیش نہیں کرتا۔ ان کی تصانیف میں سے تفسیر جامع البیان تیس جلدوں میں چھپی ہوئی موجود ہے، اس میں سے کہیں کوئی ایک فقرہ بھی کوئی اب تک نہیں دکھا سکا جس سے ان کا یہ موقف معلوم ہوتا ہو، خود ہم نے بھی ان کی تفسیر کے ممکنہ مقامات پر دیکھا، لیکن اس میں کہیں کوئی ایسی بات نہیں ملی۔

اس کے علاوہ ان کی ایک کتاب "تہذیب الآثار" کی بھی کچھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں، اس میں بھی کوئی ایسی بات نہیں مل سکی۔

واقعہ یہ ہے کہ بعض علماء نے ان کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ وہ عورت کو قاضی بنانے کے جواز کے قائل ہیں، بعض لوگوں نے اس بات کو غلط طور پر سربراہی کے جواز کے عنوان سے نقل کر دیا ہے۔ چنانچہ قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

وهذا نص فی ان المرأة لا تکون خلیفة ولا خلاف فیه ونقل عن محمد بن جریر الطبری امام الدین انه یجوز ان تکون المرأة قاضیة ولم یصح ذلك عنه ولعله کما نقل عن ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ انها انما تقضی فیما تشهد فیه ولیس بان تکون قاضیة علی الاطلاق ولا بان یکتب لها منشور بان فلانة مقدمة علی الحکم الا فی الدماء والنکاح وانما ذلك کسبیل التحکیم او الاستبانة فی القضیة الواحدة (احکام القرآن لابن العربی ص ۱۴۴۵ ج ۳)

"اور یہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اس بات پر نص ہے

besturdubooks.wordpress.com

کہ عورت خلیفہ نہیں ہوسکتی، اور اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ امام محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ ان کے نزدیک عورت کا قاضی ہونا جائز ہے، لیکن اس مذہب کی نسبت ان کی طرف صحیح نہیں ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مذہب ایسا ہی ہوگا جیسے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ عورت ان معاملات میں فیصلہ کرسکتی ہے جس میں وہ شہادت دے سکتی ہے۔ اور اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ علی الاطلاق قاضی بن جائے، اور نہ یہ مطلب ہے کہ اس کو قاضی کے منصب پر مقرر کرنے کا پروانہ دیا جائے، اور یہ کہا جائے کہ فلاں عورت کو قصاص اور نکاح کے معاملات کے سوا دوسرے امور میں قاضی بنایا جارہا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو کسی مسئلے میں ثالث بنالیا جائے، یا کوئی ایک مقدمہ جزوی طور پر اس کے سپرد کردیا جائے۔"

امام ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس وضاحت سے مندرجہ ذیل امور سامنے آتے ہیں:

(۱) سربراہی کا مسئلہ علیحدہ ہے، اور قاضی بننے کا مسئلہ علیحدہ۔

(۲) سربراہی کے مسئلے میں امام ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ سمیت تمام علماء کا اتفاق ہے کہ عورت سربراہ نہیں بن سکتی۔

(۳) امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ سے قاضی بننے کا جواز منقول ہے، لیکن ان کی طرف اس قول کی نسبت بھی درست نہیں۔

(۴) امام ابو حنیفہ یا ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ سے عورت کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کا جو جواز منقول ہے، وہ اس کو باقاعدہ قاضی بنانے سے متعلق نہیں ہے بلکہ جزوی طور سے بطور ثالث کوئی انفرادی قضیہ نمٹانے سے متعلق ہے۔

بہرکیف! اگر فقہاء کے درمیان کوئی تھوڑا بہت اختلاف ہے تو وہ عورت کے قاضی بننے کے بارے میں ہے، سربراہِ حکومت بننے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں، چنانچہ امام الحرمین جوینی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

والذکورۃ لاشك فی اعتبارھا ومن جوّز من العلماء تولّی المرأۃ

besturdubooks.wordpress.com

للقضاء فيما يجوز ان تكون شاهدة فيه احال انتصاب المرأة للامامة فان القضاء قد يثبت مختصا والامامة يستحيل فی وضع الشرع ثبوتها على الاختصاص (غياث الامم للجوينی ص ۸۲ و ۸۳)

"سربراہی کے لئے مذکر ہونے کی شرط میں کوئی شک نہیں ہے، اور جن علماء نے اُن معاملات میں عورت کے قاضی بننے کو جائز کہا ہے جن میں عورت گواہ بن سکتی ہے وہ بھی سربراہی کے لئے عورت کی تقرری کو ناممکن قرار دیتے ہیں، اس لئے کہ قضاء کے بارے میں تو یہ ممکن ہے کہ اس کی حدودِ اختیار کو کچھ معاملات کے ساتھ خاص کر دیا جائے لیکن حکومت کی سربراہی کو شرعی اُصول کے مطابق کچھ محدود معاملات کے ساتھ خاص کرنا ممکن نہیں۔"

ملکۂ بلقیس کا واقعہ:

ہمارے دَور میں بعض لوگ عورت کی سربراہی کا جواز ملکۂ بلقیس کے اُس واقعے سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں جو قرآن کریم نے سورۂ نمل میں بیان فرمایا ہے۔ لیکن یہ بات بالکل ناقابلِ فہم ہے کہ قرآن کریم کے بیان کردہ اس واقعے سے عورت کے سربراہِ حکومت بننے کا جواز کیسے ثابت ہوسکتا ہے؟ قرآن کریم نے واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے کہ یہ ملکہ اُن غیرمسلموں کی سربراہ تھی جو سورج کی پرستش کیا کرتے تھے۔ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس بارے میں جو خبر دی وہ قرآن کریم کے بیان کے مطابق یہ تھی:

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ،

"میں نے اس کو اور اس کی قوم کو پایا ہے کہ وہ اللہ کے بجائے سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔"

اس سے واضح ہے کہ وہ ایک سورج پرست قوم کی ملکہ تھی اور خود بھی سورج کی پرستش کرتی تھی، اور ظاہر ہے کہ اگر ایک کافر قوم نے کسی عورت کو اپنا سربراہ بنایا ہوا ہو تو وہ قرآن وسنّت کے واضح ارشادات کے مقابلے میں مسلمانوں کے لئے

besturdubooks.wordpress.com

کیسے دلیل بن سکتی ہے؟ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُس کو ملکہ تسلیم کرکے اپنی حکومت اس کے حوالے کردی ہوتی تب تو یہ بات ثابت ہوتی کہ کم از کم حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں عورت سربراہ بن سکتی تھی، لیکن قرآن کریم نے واضح الفاظ میں بتایا ہے کہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ اس کے نام جو خط بھیجا وہ قرآن کریم کے مبارک الفاظ میں یہ تھا:

اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ،

"کہ تم میرے مقابلے میں سر نہ اُٹھاؤ، اور میرے پاس فرمانبردار بن کر آجاؤ۔"

یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی حکومت کو نہ صرف یہ کہ تسلیم نہیں فرمایا، بلکہ اُس کو اپنے زیرنگیں آنے کا حکم دیا، اور پھر اسی پر بس نہیں، آپ نے اس کا بھیجا ہوا تحفہ بھی قبول نہیں کیا، بلکہ اسے واپس کرادیا، حالانکہ دو سربراہوں کے درمیان تحائف کا تبادلہ ایک معمول کی بات ہوتی ہے۔ قرآنِ کریم نے یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُس کا تخت بھی اُٹھوا کر منگوالیا، اور اس کی ہیئت بھی بدل ڈالی۔ یہاں تک کہ جب ملکۂ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل میں آئیں تو قرآن کریم کے بیان کے مطابق انھوں نے کہا کہ:

رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (سورۃ النمل: ۴۴)

"پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، اور میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کے آگے جھک گئی۔"

بس یہ ہے وہ واقعہ جو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے۔ اور بلقیس کے اسی جملے پر قصے کا اختتام ہوگیا ہے، جو بھی شخص اس واقعے کو قرآن کریم میں دیکھے گا وہ اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکۂ بلقیس کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا، اس کو اپنا فرمانبردار بن کر حاضر ہونے کا حکم دیا، اور بالآخر اس کی سلطنت کا خاتمہ کردیا، اور خود ملکۂ بلقیس نے بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پہنچنے کے بعد اپنی فرمانبرداری کا اعلان کردیا۔

besturdubooks.wordpress.com

اس واقعے میں کہیں دُور دُور کوئی ایسا شائبہ بھی نہیں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی حکومت کو جائز قرار دیا تھا، یا اسے تسلیم فرمایا تھا۔

بعض لوگ کچھ اسرائیلی روایات پیش کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے نکاح کرکے انھیں واپس یمن بھیج دیا تھا، لیکن یہ قطعی طور پر غیر مستند روایت ہے، کسی بھی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں ہے۔ اس معاملے میں تاریخی روایتیں بہت متضاد ہیں، بعض میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے نکاح کرکے انھیں اپنے پاس رکھا، بعض میں ہے کہ انھیں شام بھیج دیا، بعض میں ہے کہ یمن لوٹا دیا، بعض میں ہے کہ ان کا نکاح ہمدان کے بادشاہ سے کر دیا۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ یہ تمام غیر مستند روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

لم یرد فیہ خبر صحیح لا فی انہ تزوجھا ولا فی انہ زوّجھا

(تفسیر قرطبی ص ۲۱۰ و ۲۱۱ ج ۱۳)

"اس کے بارے میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں ہے، نہ اس بارے میں کہ انھوں نے بلقیس سے نکاح کیا، اور نہ اس بارے میں کہ کسی اور سے اسکا نکاح کرایا۔"

جب ملکۂ بلقیس کے اسلام کے بعد کے واقعات کسی بھی صحیح تاریخی روایت سے ثابت نہیں ہیں تو صاف اور سیدھا راستہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ قرآن کریم نے جتنا واقعہ بیان فرمایا ہے صرف اتنے واقعے پر ہی ایمان رکھا جائے، اور ظاہر ہے کہ اس واقعے میں ملکۂ بلقیس کی سلطنت کے بقاء کا نہیں بلکہ فرمانبردار ہو جانے کا ذکر ہے، اسے اسلام کے بعد سربراہ بنانے کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا اس واقعے سے عورت کی سربراہی پر استدلال کا کوئی ادنیٰ جواز موجود نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور جنگ جمل:

بعض لوگ عورت کی سربراہی پر جنگ جمل کے واقعے سے استدلال کرکے کہتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس جنگ کی قیادت کی تھی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کبھی خلافت یا حکومت کی سربراہی کا دعویٰ نہیں کیا، نہ ان کے ساتھیوں میں سے کسی کے حاشیۂ خیال میں یہ بات تھی کہ

besturdubooks.wordpress.com

ان کو خلیفہ بنایا جائے، ان کا مطالبہ صرف یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لینا قرآن کریم کے احکام کے مطابق ضروری ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت تمام ازواج مطہرات حج کے لئے مکہ مکرمہ آئی ہوئی تھیں، حضرت عائشہ اور دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے شروع میں یہ چاہا کہ وہ واپس مدینہ طیبہ پہنچ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قصاص لینے پر آمادہ کریں۔ لیکن بہت سے لوگوں نے یہ رائے دی کہ پہلے بصرہ جاکر وہاں کے لوگوں کی حمایت حاصل کی جائے۔ دوسری تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے تو بصرہ جانے سے انکار کردیا، اور فرمایا کہ ہم مدینہ منورہ کے سوا کہیں اور نہیں جائیں گے، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان حضرات کی رائے سے متأثر ہوگئیں اور بصرہ روانہ ہوگئیں (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۳۰ ج ۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقصد جنگ کرنا بھی نہیں تھا، بلکہ جب آپ بصرہ جارہی تھیں تو راستے میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا گیا، رات کے وقت وہاں کتے بھونکنے لگے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کونسی جگہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ مقام "حوأب" ہے، "حوأب" کا نام سنتے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چونک اٹھیں، انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد یاد آگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے خطاب کرتے ہوئے ایک دن فرمایا تھا:

کیف باحداکن تنبح علیھا کلاب الحوأب (مسند احمد ج ٦ ص ۵۲ و ۹۷، ومستدرک حاکم ص ۱۲۰ ج ۳، وصححہ الحاکم ووافقہ الذھبی، وقال الحافظ فی الفتح ۱۳ : ۴۵ : سندہ علی شرط الصحیح، وصححہ ابن کثیر فی البدایۃ ص ۲۱۲ ج ٦)

"تم میں سے ایک کا اس وقت کیا حال ہوگا جب اس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حوأب کا نام سُنکر آگے بڑھنے سے انکار کردیا، اور اپنے ساتھیوں سے اصرار کیا کہ مجھے واپس لوٹادو اور ایک دن ایک رات وہیں ٹھہری رہیں، لیکن بعض حضرات نے کہا کہ آپ چلی چلیں، آپ کی وجہ سے مسلمانوں

besturdubooks.wordpress.com

کے دو گروہوں میں صلح ہو جائے گی۔ اور بعض روایات میں ہے کہ کسی نے آپ کے سامنے تردید بھی کی کہ یہ جگہ حوأب نہیں ہے (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۳۱ ج ۷)

اس طرح جو مقدر میں تھا وہ پیش آیا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سفر دوبارہ شروع فرما دیا، بصرہ پہنچ کر بھی جب آپ سے آنے کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا:

ای بنیّ ! الاصلاح بین الناس

"بیٹے! میں لوگوں کے درمیان صلح کرانے آئی ہوں"

ان تمام باتوں سے واضح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقصد نہ کوئی سیاست تھی نہ حکومت، نہ وہ جنگ کرنا چاہتی تھیں، بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے جائز مطالبے کی تقویت، اور اس سلسلے میں مسلمانوں کے درمیان مصالحت کے خالص دینی مقاصد آپ کے پیشِ نظر تھے۔

اس کے باوجود چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خواتین کے مسلّمہ دائرۂ کار سے قدرے باہر نکل کر اجتماعی معاملات میں دخل دیا تھا، اس لئے صحابۂ کرام اور خود دوسری امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو آپ کا یہ اقدام پسند نہ آیا اور متعدد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ کو خطوط لکھے۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس موقع پر آپ کو ایک بڑا اثر انگیز خط لکھا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

عن ام سلمۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی عائشۃ ام المؤمنین فانی احمد الیك اللہ الذی لا الٰہ الا ھو، اما بعد، إنك سُدّۃ بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وامتہ وحجاب مضروب علی حرمتہ قد جمع القرآن ذیلك فلا تندحیہ وسکّر خفارتك فلا تبتذلیھا فاللہ من وراء ھذہ الامۃ، ولو علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان النساء یحتملن الجھاد عھد الیك، اما علمت انہ قد نھاك عن الفراطۃ فی البلاد فان عمود الدین لا یثبت بالنساء ان مال، ولا یراب بھن ان انصدع، جھاد النساء غض الاطراف وضم الذیول وقصد الوھازۃ، ما کنتِ قائلۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو عارضك ببعض ھذہ الفلوات ناصّۃ قعودًا

besturdubooks.wordpress.com

من منهل الی منهل ؟ وغدًا تردين علی رسول الله صلی الله علیه وسلم واقسم لو قیل لی یا ام سلمة ادخلی الجنة لاستحییت ان القی رسول الله صلی الله علیه وسلم هاتكة حجابًا ضربه علیّ فاجعلیه ستركِ ، ووقاعة البیت حصنكِ ، فانكِ انصح ما تكونین لهٰذه الامة ما قعدت عن نصرتهم (العقد الفرید ص ٦٦ ج ٥ مطبوع دار الباز مكة المكرمة)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ امّ سلمہ کی طرف سے ام المؤمنین عائشہ کے نام : میں آپ سے اُس اللہ کی حمد کرتی ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اما بعد ۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے درمیان ایک دروازہ ہیں، آپ وہ پردہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت پر ڈالا گیا ہے ، قرآن نے آپ کے دامن کو سمیٹا ہے ، آپ اسے پھیلائیے نہیں ، اور آپ کی حرمت کی حفاظت کی ہے آپ اس کی بے قدری نہ کریں ، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتا کہ خواتین پر جہاد کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے تو وہ آپ کو اس کی وصیت کرتے ۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو شہروں میں آگے بڑھنے سے روکا تھا ؟ اس لئے اگر دین کا ستون متزلزل ہونے لگے تو وہ عورتوں سے کھڑا نہیں ہوسکتا اور اگر اس میں شگاف پڑنے لگے تو عورتوں سے اس کا بھراؤ ممکن نہیں ، عورتوں کا جہاد یہ ہے کہ وہ نگاہیں نیچی رکھیں ، دامنوں کو سمیٹیں اور چھوٹے قدموں سے چلیں ۔ آپ جن صحراؤں میں ایک گھاٹ سے دوسرے گھاٹ تک اپنی اونٹنی دوڑا رہی ہیں ، اگر وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے سامنے آجائیں تو آپ کے پاس ان سے کہنے کو کیا ہوگا ؟ کل آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانا ہے ۔ اور میں قسم کھاتی ہوں کہ اگر مجھ سے کہا جائے کہ امّ سلمہ ! جنت میں چلی جاؤ ، تب بھی مجھے اس بات سے حیا آئے گی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حالت میں ملوں کہ جو پردہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر ڈالا تھا اُسے میں چاک کر چکی ہوں ، لہٰذا آپ اس کو

besturdubooks.wordpress.com

اپنا پردہ بنائیے، اپنے گھر کی چار دیواری کو اپنا قلعہ سمجھئے، کیونکہ جب تک آپ اپنے گھر میں رہیں گی، اس اُمت کی سب سے بڑی خیر خواہ ہوں گی"

اُمّ المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس مکتوب کے ایک ایک لفظ سے دین کا وہ پاکیزہ مزاج ٹپک رہا ہے جس نے عورت کو حرمت و تقدیس کا اعلیٰ ترین مقام عطا فرمایا ہے، اور جس کے آگے تمام سیاسی مناصب اور دنیوی شان و شوکت ہیچ ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کسی بات کا انکار نہیں کیا، بلکہ ان کی نصیحت کو اصولی طور پر قبول فرمایا، اور اس کی یہ کہہ کر قدردانی فرمائی کہ:

فما اقبلنی لوعظك واعرفنی لحق نصیحتك

"میں آپ کی نصیحت کو خوب قبول کرتی ہوں، اور آپ کے حقِ نصیحت سے اچھی طرح باخبر ہوں"

البتہ اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

ولنعم المطلع مطلع فرقت فیه بین فئتین متشاجرتین من المسلمین

"وہ موقف بہت اچھا موقف ہے جس کے ذریعے میں مسلمانوں کے دو جھگڑتے ہوئے گروہوں کے درمیان حائل ہو سکوں"

جس سے صاف واضح ہے کہ نہ وہ حکومت کی سربراہی چاہتی ہیں، نہ جہاد ان کے پیش نظر ہے، نہ کوئی سیاسی قیادت مقصود ہے، بلکہ پیش نظر دو فریقوں کے درمیان صلح کرانا ہے۔ اور اس میں بھی وہ فرماتی ہیں:

فان اقعد ففی غیر حرج وان امض فالی ما لاغنی لی عن الازدیاد منه (العقد الفرید ص ۶۶ ج ۵)

"اب اگر میں بیٹھ گئی تب بھی کوئی حرج نہیں، اور اگر میں آگے بڑھی تو ایک ایسے کام کے لئے آگے بڑھوں گی جس کو مزید انجام دینے کے سوا میرے لئے کوئی چارہ نہ رہے"

اتنی احتیاط کے باوجود وہ زمانہ فتنے کا تھا، دشمنوں کی سازشیں سرگرمی

besturdubooks.wordpress.com

سے کام کر رہی تھیں، جن کا واحد مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو باہم لڑایا جائے، چنانچہ جو کچھ مقدر میں تھا وہ پیش آکر رہا، جنگِ جمل ہوئی، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُس مقام پر پہنچ چکی تھیں جہاں سے واپس نہ آسکیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے انھیں گھر سے باہر کی اس محدود ذمہ داری اُٹھانے سے روکا۔ چنانچہ حضرت زید بن صوحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک خط میں لکھا:

سلام علیك، اما بعد: فانّك امرت بامر و امرنا بغیرہ امرت ان تقرّی فی بیتك وامرنا ان نقاتل النّاس حتی لا تکون فتنۃ فترکت ما امرت بہ وکتبت تنھیننا عما امرنا بہ والسلام،

(العقد الفرید ص ٦٧ ج ٥)

"سلام کے بعد، آپ کو ایک کام کا حکم دیا گیا ہے، اور ہمیں دوسرے کام کا، آپ کو حکم ہے کہ گھر میں قرار سے رہیں، اور ہمیں حکم ہے کہ ہم لوگوں سے اُس وقت تک لڑیں جب تک فتنہ باقی رہے، آپ نے اپنے کام کو چھوڑ دیا اور ہمیں اس کام سے روک رہی ہیں جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔"

پھر بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی، خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعد میں اپنے اس فعل پر انتہائی ندامت کا اظہار فرماتی رہی ہیں، چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولا ریب ان عائشۃ ندمت ندامۃ کلّیۃ علی مسیرھا الی البصرۃ وحضورھا یوم الجمل وما ظنّت ان الامر یبلغ ما بلغ (سیر اعلام النبلاء للذھبی ص ١٧٧ ج ٢)

"اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے بصرہ کے سفر اور جنگِ جمل میں حاضری پر کُلّی طور سے نادم ہوئیں، ان کا گمان یہ نہیں تھا کہ بات وہاں تک پہنچ جائے گی جہاں تک پہنچی۔"

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سند سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ

besturdubooks.wordpress.com

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے فرمایا کہ "تم نے مجھے اس سفر میں جانے سے کیوں منع نہیں کیا؟" حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا: "میں نے دیکھا کہ ایک صاحب (یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہما) آپ کی رائے پر غالب آگئے ہیں۔" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے جواب دیا: "بخدا، اگر تم مجھے روک دیتے تو میں نہ نکلتی" (نصب الرایہ للزیلعی ص ۷۰ ج ۴)

پھر جنگِ جمل اور اس کے سفر پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی ندامت کا عالم یہ تھا کہ جب تلاوتِ قرآن کریم کے دوران وہ سورۂ احزاب کی اس آیت پر پہنچتیں جس میں اللہ تعالی نے خواتین کو یہ حکم دیا ہے کہ:

وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ

"اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو"

تو اس قدر روتی تھیں کہ آپ کی اوڑھنی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔

اذا قرأت هذه الآية وقرن فی بيوتكن بكت حتى تبل خمارها

(طبقات ابن سعد ص ۸۰ ج ۸، وسیر اعلام النبلاء ص ۱۷۷ ج ۲)

اور ندامت کی انتہا یہ ہے کہ شروع میں آپ کی خواہش یہ تھی کہ آپ کو خود اپنے گھر میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن کیا جائے، لیکن جنگِ جمل کے بعد آپ نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ قیس بن ابی حازم راوی ہیں کہ:

قالت عائشة رضی اللہ تعالی عنها وکانت تحدث نفسها ان تدفن فی بیتها مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وابی بکر فقالت انی احدثت بعد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم حدثا ادفنونی مع ازواجه فدفنت بالبقیع (مستدرک الحاکم ص ۶ ج ۴ قال الحاکم: هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ووافقه الذهبی)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دل میں یہ سوچتی تھیں کہ انھیں ان کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ دفن کیا جائے، لیکن بعد میں انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

besturdubooks.wordpress.com

کے بعد ایک بدعت کا ارتکاب کیا ہے، اب مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواجِ مطہرات کے ساتھ دفن کرنا، چنانچہ انھیں بقیع میں دفن کیا گیا۔"

حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تعنی بالحدیث مسیرھا یوم الجمل فانھا ندمت ندامة کلیة و تابت من ذلك علی انھا ما فعلت ذلك الا متأولة قاصدة للخیر (سیر اعلام النبلاء ص ۱۹۳ ج ۲)

"بدعت سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مراد جنگ جمل میں ان کا جانا تھا، اس لئے کہ وہ اپنے اس عمل پر کُلّی طور سے نادم تھیں، اور اس سے توبہ کر چکی تھیں، باوجودیکہ ان کا یہ اقدام اجتہاد پر مبنی تھا اور ان کا مقصد نیک تھا۔"

ان تمام واقعات سے واضح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نہ کبھی حکومت کی سربراہی کی خواہش یا دعویٰ کیا، نہ کسی نے یہ تجویز پیش کی کہ ان کو سربراہ بنایا جائے، نہ ان کا مقصد کسی باقاعدہ جنگ کی قیادت تھی، وہ صرف ایک قرآنی حکم کے نفاذ اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت کے لئے نکلی تھیں، لیکن دشمنوں کی سازش نے ان کے اس سفر کو بالآخر ایک جنگ کی شکل دیدی، لیکن چونکہ ان کا مشن فی الجملہ ایک محدود سیاسی حیثیت کا حامل تھا، اس لئے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اسکو پسند نہیں کیا، اور وہ خود بھی اس پر بے انتہاء نادم ہوئیں، یہانتک کہ اس ندامت کی بناء پر روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تدفین کو بھی پسند نہیں فرمایا۔

اب خود انصاف سے فیصلہ کر لیا جائے کہ:

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے جس اقدام کو بالآخر خود غلط سمجھا، اُس پر روتی رہیں، اور اُس پر ندامت کی وجہ سے تدفین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہونے سے بھی شرمائیں، اُس عمل سے کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے؟ اور استدلال بھی سربراہی کے جواز پر جس کا تصور بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حاشیۂ خیال میں نہیں گزرا۔

besturdubooks.wordpress.com

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک تحریر:

ہمارے زمانے میں بعض حضرات نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کی ایک تحریر بھی عورت کی سربراہی کے جواز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو امداد الفتاوی میں شائع ہوئی ہے جس میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث "لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ" کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ جمہوری حکومت اس وعید کے تحت داخل نہیں ہے۔

لیکن حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس تحریر کی حقیقت سمجھنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی پوری اُمت کے علماء کی طرح اسی بات کے قائل ہیں کہ عورت کو اسلامی حکومت کی سربراہ بنانا جائز نہیں ہے، چنانچہ امداد الفتاوی کی اسی تحریر میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے خود تحریر فرمایا ہے کہ:

"حضرات فقہاء نے امامت کبری (حکومت کی سربراہی) میں ذکورۃ (مرد ہونے) کو شرطِ صحت، اور قضا میں گو شرطِ صحت نہیں، مگر شرطِ صون عن الاثم فرمایا ہے۔" (امداد الفتاوی ص ۹۲ ج ۵)

نیز حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ نے اپنی تفسیر میں اس مسئلے کو مزید وضاحت کے ساتھ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

"اور ہماری شریعت میں عورت کو بادشاہ بنانے کی ممانعت ہے، پس بلقیس کے قصہ سے کوئی شبہہ نہ کرے۔ اول تو یہ فعل مشرکین کا تھا۔ دوسرے اگر شریعتِ سلیمانیہ نے اس کی تقریر بھی کی ہو تو شرعِ محمدی میں اس کے خلاف ہوتے ہوئے وہ حجت نہیں۔" (بیان القرآن ص ۸۵ ج ۸ سورۃ النمل)

نیز حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "احکام القرآن" کا جو حصہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ سے لکھوایا ہے، اس میں بھی ملکۂ بلقیس کے واقعے کے تحت یہ مسئلہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، اور خود حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے اس استدلال کو رد کیا ہے کہ قرآن کریم نے بلقیس کا واقعہ بیان کرکے اس پر کوئی نکیر نہیں کی۔ (احکام القرآن للمفتی محمد شفیع ص ۲۹ ج ۳)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ان عبارتوں سے واضح ہے کہ وہ علمائے اُمت کی

besturdubooks.wordpress.com

طرح اسی بات کے قائل ہیں کہ عورت کو سربراہِ حکومت بنانا شرعاً جائز نہیں ہے۔ البتہ سوال یہ پیدا ہوا کہ اگر کسی جگہ اس شرعی حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کسی عورت کو سربراہ بنا دیا گیا ہو، تو کیا ایسی جگہ کے لوگوں پر وہ وعید صادق آئے گی جو حدیث میں بیان کی گئی ہے کہ ایسی قوم فلاح نہیں پا سکتی ؟ اس کے جواب میں حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اگر حکومت عام ہو اور تام ہو۔ جیسا کہ شخصی سلطنتوں میں ہوتا ہے (یا جیسا کہ خلافتِ اسلامی میں ہوتا ہے) اور اس کا سربراہ عورت کو بنا دیا جائے۔ تو بیشک اس پر حدیث کی یہ وعید صادق آئے گی۔ لیکن اگر حکومت جمہوری انداز کی ہو تو عدمِ فلاح ضروری نہیں جس کی وجہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی کہ:

"راز اس میں یہ ہے کہ حقیقت اس حکومت کی محض مشورہ ہے، اور عورت اہل ہے مشورہ کی" (امداد الفتاوٰی ص ۹۲ ج ۵)

اس سے صاف واضح ہے کہ عورت کی "حقیقی حکومت" کو حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ ناجائز بلکہ موجبِ عدمِ فلاح بھی قرار دے رہے ہیں، لہٰذا اصل مسئلے کی حد تک ان کا موقف وہی ہے کہ عورت سربراہِ حکومت نہیں ہو سکتی، البتہ جمہوری حکومت کے بارے میں انھوں نے یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ وہ حقیقۃً حکومت ہے ہی نہیں، بلکہ محض مشورہ ہے۔

لہٰذا حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر کا سارا دار و مدار اس بات پر ٹھہرا کہ جمہوری حکومت واقعۃً حکومت ہے یا محض مشورہ ہے ؟ اور یہ سوال شرعی حکم کا نہیں، بلکہ واقعے کا ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جمہوری حکومت کے سربراہ کے بارے میں یہ سمجھا کہ حقیقۃً وہ سربراہ نہیں ہوتا، بلکہ پارلیمنٹ کا ایک رکن ہونے کی حیثیت میں اس کی بات محض ایک مشورے کی حیثیت رکھتی ہے، چنانچہ اسی تحریر میں وہ فرماتے ہیں:

"کسی عورت کی سلطنت جمہوری ہو کہ اس میں والیٔ صوری درحقیقت والی نہیں بلکہ ایک رکنِ مشورہ ہے، اور والیٔ حقیقی مجموعہ مشیروں کا ہے (امداد الفتاوٰی ص۹۲ ج۵)

اس فقرے سے ایک بار پھر واضح ہو گیا کہ وہ عورت کی سربراہی کے ناجائز اور موجبِ عدمِ فلاح ہونے کو تسلیم فرماتے ہیں۔ اور اس مسئلے سے انھیں کوئی اختلاف نہیں، لیکن

besturdubooks.wordpress.com

جمہوری حکومت کے سربراہ کو وہ اپنی معلومات کے مطابق حقیقی سربراہ نہیں سمجھ رہے۔ یہ اختلاف اصل مسئلے میں نہیں، بلکہ جمہوری حکومت کی حقیقت میں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ پارلیمانی نظام میں وزیر اعظم اگرچہ پارلیمنٹ کا ایک رکن ہونے کی حیثیت میں محض ایک رکنِ مشورہ ہے، لیکن اس کی دو حیثیتیں اور ہیں جن کی موجودگی میں اُس کو محض ایک "رکنِ مشورہ" قرار دینا ممکن نہیں ہے۔ پہلی حیثیت تو یہ ہے کہ وہ ملک کی انتظامیہ کا سربراہ ہوتا ہے۔ اور اپنی اس حیثیت میں وہ آئین و قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے مکمل طور سے خود مختار ہے، یہاں تک کہ اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ پوری کابینہ کے مشورے کو رَد کر کے وہ کام کرے جو اس کی رائے کے مطابق ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ جمہوری نظام میں ریاست کے تین کام الگ الگ کر دئے گئے ہیں، ایک کام قانون سازی ہے جو مقننہ یعنی پارلیمنٹ کے سپرد ہے، دوسرا کام ملک کا انتظام چلانا ہے جو انتظامیہ کے سپرد ہے، اور تیسرا کام تنازعات کا فیصلہ ہے جو عدلیہ کے سپرد ہے۔ اب ریاست کے ان تین اداروں، مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ میں سے لفظ "حکومت" کا اطلاق انتظامیہ ہی پر ہوتا ہے۔ مقننہ اور عدلیہ ریاست (STATE) کے ذیلی ادارے ضرور ہیں، لیکن "حکومت" (GOVERNMENT) کا حصہ نہیں ہیں۔ حکومت صرف انتظامیہ ہی کو کہا جاتا ہے، اور وزیر اعظم اس انتظامیہ کا سربراہ ہوتا ہے، اُسے آئین کے دائرے میں رہتے ہوئے کاروبارِ حکومت چلانے کا مکمل اختیار حاصل ہے، نہ وہ ہر چیز کو مقننہ کے مشورے کے لئے پیش کرتا ہے، نہ کر سکتا ہے، نہ اس کا پابند ہے۔ اہم انتظامی فیصلے وہ کابینہ میں رکھتا ضرور ہے، لیکن کابینہ کی رائے کا پابند نہیں ہے، بلکہ کابینہ کے اجلاس میں اس کا فیصلہ حتمی حیثیت رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے با اختیار شخص کو محض "رکنِ مشورہ" نہیں کہا جا سکتا۔

مقننہ کی حد تک بیشک وہ ایک "رکنِ مشورہ" ہے، لیکن پارلیمانی پارٹیوں کے مروّجہ نظام میں اس کی ایک اور حیثیت ہے جس نے اسے مقننہ میں بھی محض "رکنِ مشورہ" نہیں رہنے دیا، اور وہ حیثیت یہ ہے کہ وہ پارلیمنٹ میں برسرِ اقتدار اکثریتی پارٹی کا لیڈر اور قائدِ ایوان ہوتا ہے، لہٰذا پارلیمنٹ میں اس کی رائے محض ایک شخصی رائے نہیں ہوتی، بلکہ بسا اوقات ایوان کی اکثریت کی نمائندگی کرتی ہے۔ بالخصوص اگر وہ اپنی جماعت کے ارکان پارلیمنٹ کے لئے جماعت کی طرف سے کوئی ہدایت جاری کر دے تو اس کی جماعت کے تمام ارکان

besturdubooks.wordpress.com

اسی ہدایت کے مطابق اسمبلی میں ووٹ دینے کے پابند ہیں۔ پارلیمانی اصطلاح میں اس ہدایت کو جماعتی کوڑا (PARTY WHIP) کہا جاتا ہے، یعنی اس کوڑے کو حرکت میں لانے کے بعد تمام ارکانِ جماعت پارلیمنٹ میں وہی رائے دینے پر مجبور ہیں جس کے لئے وہ کوڑا حرکت میں لایا گیا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ جو شخص یہ کوڑا حرکت میں لاتا ہو، اس کو محض ایک "رکنِ مشورہ" نہیں کہا جا سکتا۔ اس لحاظ سے مقننہ میں بھی وزیرِ اعظم کی حیثیت محض ایک "رکنِ مشورہ" کی نہیں، بلکہ قائدِ جماعت اور قائدِ ایوان کی ہوتی ہے، اور عملاً وہ دوسروں کے مشورے پر کم اور دوسرے اس کے مشورے پر زیادہ چلتے ہیں۔

اگرچہ نظریاتی اعتبار سے صدر مملکت ریاست کا سربراہ ہوتا ہے، اور وزیرِ اعظم انتظامیہ کا، لیکن پارلیمانی نظام میں صدر مملکت کی حیثیت زیادہ تر نمائشی ہوتی ہے اور اصل اختیارات وزیرِ اعظم ہی کے پاس ہوتے ہیں، اس لئے دنیا بھر کے نزدیک وزیرِ اعظم ہی کو اصل سربراہ سمجھا جاتا ہے۔

اس تشریح سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ عورت کی سربراہی کو ہرگز جائز نہیں سمجھتے جس کے لئے ان کی صریح تحریریں موجود ہیں، البتہ سوال یہ تھا کہ جمہوری حکومت کی سربراہی حقیقی سربراہی ہے یا نہیں؟ اس سوال کا تعلق شریعت کی تحقیق سے نہیں بلکہ مروجہ جمہوری نظام کی تحقیق سے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا اصل موضوع شریعت کی تحقیق تھا۔ عہدِ حاضر کے سیاسی نظاموں کی تحقیق حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا موضوع نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ پارلیمانی نظام کے وزیرِ اعظم کے سلسلے میں جو حقائق اوپر بیان کئے گئے ہیں، اگر وہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے سامنے لائے جاتے تو وہ اپنی اس رائے پر ضرور نظرِ ثانی فرماتے کہ وہ محض ایک رکنِ مشورہ ہے۔

تاریخ کی بعض مثالیں :

بعض لوگ عورت کی سربراہی کے جواز میں بعض تاریخ کی مثالیں پیش کرتے ہیں کہ فلاں فلاں مواقع پر فلاں عورت برسرِ اقتدار رہی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ تاریخ میں جائز و ناجائز ہر قسم کے واقعات ہوئے ہیں، یہ واقعات دین میں کوئی سند نہیں ہیں، سند قرآن و سنت ہیں، لہٰذا اگر کہیں اِکّادُکّا کچھ واقعات عورت کی سربراہی کے پیش آئے ہیں تو ان کی بنیاد

besturdubooks.wordpress.com

پر قرآن وسنت کے واضح احکام اور دلائل کو نہیں چھوڑا جاسکتا۔ پھر ان اِکا دُکا واقعات کی اکثریت ایسی ہے جہاں مسلمانوں نے ایسی حکومت کو گوارا نہیں کیا، یہاں تک کہ وہ حکومت ختم ہوگئی۔ اور ان حکومتوں کے دور میں بھی کہیں نہیں ملتا کہ کسی فقیہ یا عالم نے عورت کی سربراہی کے جواز کا فتویٰ دیا ہو۔

اسی ضمن میں بعض لوگ مس فاطمہ جناح کے صدارتی اُمیدوار بننے کو سند میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن ملک کا کوئی عالم ہمارے علم میں نہیں ہے جس نے اس اقدام کی حمایت کرتے ہوئے یہ کہا ہو کہ عورت حکومت کی سربراہ ہوسکتی ہے، لہٰذا اس واقعے کو دلیل میں پیش کرنا خلطِ مبحث کے سوا کچھ نہیں۔

(اس وقت بھی علماء نے عورت کی سربراہی کے عدم جواز کا فتویٰ شائع کیا تھا۔ رشید احمد)

تمام مکاتبِ فکر کے پاکستانی علماء کا فیصلہ:

بہرکیف! عورت کی سربراہی کا ناجائز ہونا ایک ایسا مسلمہ مسئلہ ہے جو قرآن وسنت کے واضح ارشادات اور اجماعِ اُمت پر مبنی ہے۔ اُمت کے کسی ایک فقیہ یا عالم نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا۔

اسی لئے ۱۹۵۱ء میں جب پاکستان کے تمام مکاتبِ فکر کے علماء نے کراچی میں آئینی مسائل پر اجتماع منعقد کیا جس میں دیوبندی، بریلوی، اہلِ حدیث، جماعتِ اسلامی اور شیعہ تمام مدرسہ ہائے خیال کے چوٹی کے ۳۳ حضرات موجود تھے اور وہ مشہور متفقہ بائیس نکات طے کئے جو انکے نزدیک پاکستان کے آئین کے لئے بنیادی اہمیت رکھتے تھے، تو ان میں بارہواں نکتہ یہ تھا:

"رئیسِ مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جس کے تدین، صلاحیت اور اصابتِ رائے پر جمہور یا ان کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔"

ان بائیس نکات پر پاکستان کے ہر مکتبِ فکر کے تمام علماء متفق ہیں، اور آج تک ان میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا۔

لہٰذا کسی اسلامی حکومت میں عورت کو سربراہ بنانا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اور اگر کہیں ایسا ہوجائے تو مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ جلد از جلد سربراہی کی تبدیلی کے لئے ممکنہ کوششوں کو بروئے کار لائیں۔ واللہ سبحانہ الموفق ــــ محمد رفیع عثمانی

رشید احمد ولی حسن سلیم اللہ

۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

besturdubooks.wordpress.com

المزید من العبد الرشید :

دلائل المنع :

(۱) وللرجال علیهن درجة (۲-۲۲۸)

(۲) وزاده بسطة فی العلم والجسم (۲-۲۴۷)

(۳) اومن ینشؤا فی الحلیة وهو فی الخصام غیر مبین (۴۳-۱۸)

(۴) قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما رأیت من ناقصات عقل ودین اذهب للب الرجل الحازم من احداکن (بخاری ص ۴۴ ج ۱)

دلائل الجواز :

(۱) قال الامام الکاسانی رحمه الله تعالیٰ : اما المرأة والصبی العاقل فلا یصح منهما اقامة الجمعة لانهما لا یصلحان للامامة فی سائر الصلوات ففی الجمعة اولی الا ان المرأة اذا کانت سلطانا فامرت رجلا صالحا للامامة حتی صلی بهم الجمعة جاز لان المرأة تصلح سلطانا او قاضیا فی الجملة فتصح امامتها۔ (بدائع الصنائع ص ۲۶۲ ج ۱)

(۲) وقال العلامة ابن نجیم رحمه الله تعالیٰ : اما سلطنتها فصحیحة وقد ولی مصر امرأة تسمی شجرة الدر جاریة الملک الصالح بن ایوب (البحر الرائق ص ج ۶)

الجواب :

ان عبارات میں صلاح وصحت سے نفاذ مراد ہے، جواز مراد نہیں، مطلب یہ ہے کہ عورت کو سلطان بنانا ناجائز ہے معہذا اس نے ناجائز ذرائع سے تسلط حاصل کرلیا تو اسکی سلطنت نافذ ہوجائے گی۔

الامثلة :

(۱) قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : اسمعوا واطیعوا وان استعمل عبد حبشی کأن راسه زبیبة (بخاری ص ۹۶ ج ۱)

قال الامام الکرمانی رحمه الله تعالیٰ : فان قلت کیف یکون العبد والیا وشرط الولایة الحریة ؟ قلت : بان یولیه بعض الائمة او یغلب علی البلاد بشوکته۔ (شرح الکرمانی لصحیح البخاری ص ۴۶ ج ۵)

besturdubooks.wordpress.com

(۲) وقال الامام ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ: طریق چہارم استیلاء ست.... واین دو نوع ست یکی آنکہ مستولی مستجمع شروط باشد..... دیگر آنکہ مستجمع شروط نباشد وصرف منازعین کند بقتال وارتکاب محرم وآں جائز نیست وفاعل آں عاصی ست لیکن واجب ست قبول احکام او چوں موافق شرع باشد، واگر عمال او اخذ زکوٰۃ کنند از ارباب اموال ساقط شود، وچوں قاضی او حکم نماید نافذ گردد حکم او، وہمراہ او جہاد می تواں کرد، وایں انعقاد بنا بر ضرورت ست زیراکہ در عزل او وفنائی نفوس مسلمین وظہور حرج ومرج شدید لازم می آید وبیقین معلوم نیست کہ ایں شداید مفضی شود بصلاح یا نہ، یحتمل کہ دیگری بدتر از اول غالب شود، پس ارتکاب فتن کہ قبح او متیقن بہ ست چرا باید کرد برائی مصلحتی کہ موہوم ست ومحتمل، وانعقاد خلافت عبدالملک بن مروان واول خلفائی بنی عباس بہمیں نوع بود (ازالۃ الخفا ص ۵ مقصد اوّل)

(۳) وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: والمرأۃ تقضی فی غیر حد وقود وان اثم المولی لہا لخبر البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ (رد المحتار ص ۳۹۵ ج ۴)

وکذا قال العلامۃ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ (البحر الرائق ص ۵ ج ۷)

(۴) فاسق کو امام بنانا جائز نہیں معہذا اس کی اقتدار میں پڑھی ہوئی نماز صحیح ہے۔

النظائر:

ولہذہ المسألۃ نظائر کثیرۃ مثلاً:

(۱) البیع الفاسد موجب للملک۔

(۲) حرمۃ المصاہرۃ تثبت بالزنا۔

(۳) السفر یترتب علیہ الاحکام ولوکان للمعصیۃ۔

(۴) یقع الطلاق علی الحائض مع کونہ منہیا عنہ۔

(۵) یقع الطلقات الثلاث دفعۃ مع کونہ بدعیا۔

(۶) لعق النجاسۃ مع حرمتہ مطہر۔

دلائل الجواز کو بوجوہ ذیل نفاذ مع عدم الجواز پر محمول کرنا ضروری ہے:

besturdubooks.wordpress.com

(۱) عدم الجواز نصوص الشرع، قرآن، حدیث، فقہ اور اجماع سے ثابت ہے۔

(۲) دلیل ثانی میں سلطنت شجرۃ الدر سے استدلال کیا گیا ہے جس کے تسلط کو ناجائز قرار دے کر اسے معزول کر دیا گیا تھا، کما سیأتی۔

(۳) البحر الرائق میں اسی دلیل ثانی سے تین سطر پہلے یہ حکم مذکور ہے: فکانت اہلا للقضاء (فی غیر حد وقود) لکن یأثم المولی لہا للحدیث لن یفلح قوم ولوا امرہم امرأۃ رواہ البخاری (البحر الرائق ص ۵ ج ۷)

(۴) قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی فی شرائط صحۃ الجمعۃ والثانی السلطان ولو متغلبا او امرأۃ فیجوز امرہا باقامتہا لا اقامتہا، قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی اعلمات المرأۃ لا تکون سلطانا الا تغلبا لما تقدم فی باب الامامۃ من اشتراط الذکورۃ فی الامام، فکان علی الشارح ان یقول ولو امرأۃ ای ولو کان ذلک المتغلب امرأۃ ح، والمراد بالمتغلب من فقد فیہ شروط الامامۃ وان رضیہ القوم (رد المحتار ص ۷۵۰ ج ۱)

(۵) بدائع میں دلیل اول سے کچھ قبل سلطنت عبد کا ذکر ہے ونصہ: واما العبد اذا کان سلطانا فجمع بالناس او امر غیرہ جاز (بدائع الصنائع ص ۲۶۱ ج ۱)

اس پر اجماع ہے کہ عبد سلطان نہیں ہو سکتا، لہٰذا یہاں بالاتفاق عبد متغلب مراد ہے۔ جس کی سلطنت ناجائز ہونے کے باوجود نافذ ہے، اس سے ثابت ہوا کہ آگے اسی موقع پر ان المرأۃ تصلح سلطانا میں بھی صلاحیت سے نفاذ بلا جواز مراد ہے۔

(۶) دلیل اول میں فامرت رجلا صالحا للامامۃ میں بالاتفاق ایسا شخص مراد ہے جس کی اقتداء میں پڑھی ہوئی نماز صحیح ہو جائے، یہ ضروری نہیں کہ اسے امام بنانا بھی جائز ہو، اس سے ثابت ہوا کہ آگے ان المرأۃ تصلح سلطانا میں بھی نفاذ مراد ہے جواز مراد نہیں۔

(۷) امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالی نے اپنی شان تحقیق کے مطابق اس حقیقت کو دلائل سے ثابت فرمایا ہے کہ عورت کی قضاء کا نفاذ مع عدم الجواز ہے، ونصہ:

والجواب ان ما ذکر غایۃ ما یفید منع ان تستقضی وعدم حلہ والکلام فیما لو ولیت واثم المقلد بذلک او حکمہا خصمان فقضت قضاء موافقا لدین

besturdubooks.wordpress.com

اکان ینفذ ام لا؟ لم ینتہض الدلیل علی نفیہ بعد موافقتہا انزالہا الان یثبت شرعا سلب اہلیتہا ولیس فی الشرع سوا نقصان عقلہا و معلوم انہ لم یصل الی حد سلب ولایتہا بالکلیۃ الا تری انہا تصلح شاہدۃ و ناظرۃ فی الاوقاف و وصیۃ علی الیتامی و ذلک النقصان بالنسبۃ والاضافۃ ثم ہو منسوب الی الجنس فجاز فی الفرد خلافہ الا تری الی تصریحہم بصدق قولنا الرجل خیر من المرأۃ مع جواز کون بعض افراد النساء خیرا من بعض افراد الرجال ولذلک النقص الغریزی نسب صلی اللہ علیہ وسلم لمن یولیہن عدم الفلاح فکان الحدیث متعرضا للمولین ولہن بنقص الحال وہذا حق لکن الکلام فیما لو ولیت فقضت بالحق لماذا یبطل ذلک الحق؟ (فتح القدیر ص ۴۸۶ ج ۵)

(۸) اعلاء السنن میں بھی اس حقیقت کو ایسا محقق بیان فرمایا ہے کہ اس کے دلائل تقریباً دو صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں (اعلاء السنن ص ۲۶، ۲۷ ج ۱۵)

اعلاء السنن کی اس بحث میں متعدد دلائل سے یہ ثابت کرنے کے بعد کہ فقہ حنفی میں اس موقع پر "جواز" سے "نفاذ مع الاثم" مراد ہے۔ آخر میں اپنے اس دعوی "جواز بمعنی نفاذ" یا بالفاظ دیگر "نفاذ بلا جواز" پر واقعۂ جمل سے استدلال کیا ہے جو صحیح نہیں، اس لئے کہ یہاں امارت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کا قطعاً کوئی تصور تک بھی نہیں تھا، نہ ہی کسی قسم کی جنگ وغیرہ کا کوئی خیال تھا۔ صرف مطالبہ قصاص کو تقویت دینے کے لئے آپ سے تائید حاصل کرنا مقصود تھا جس کی تفصیل "متفقہ فیصلہ" میں گزر چکی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے اس اقدام کو بھی حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے پسند نہیں فرمایا اور اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وعید لن یفلح قوم الخ میں داخل سمجھ کر ناجائز قرار دیا۔ جب مطالبہ قصاص میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی شمولیت میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے ہاں کوئی جواز نہ تھا تو آپ کی امارت کے تصور کا کیا جواز ہو سکتا تھا؟

علاوہ ازیں نفاذ مع عدم الجواز تسلیم کر لینے اور اسے دلائل سے ثابت کرنے کے بعد اس استدلال کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ حضرت عائشہ اور آپ کے ہمخیال صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم نے معاذ اللہ! ناجائز کام کر کے ارتکاب معصیت کیا ہے۔ حاشا و کلا، واللہ یعلم

besturdubooks.wordpress.com

انّھم بریئون من ذالک، رضی اللہ تعالیٰ عنھم و رضوا عنہ ،

بعض ملحدین نے امارت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ثابت کرنے کے لئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس عبارت سے استدلال کیا ہے :

انّما جعلھا بمنزلۃ الملکۃ التی یأتمر بأمرھا و یطیعھا (منہاج السنۃ ص ۱۹۵ ج ۲)

اس استدلال سے امارت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ثابت ہونے کی بجائے مستدل ملحد کی انتہائی جہالت اور کھلی خیانت کا ثبوت ملتا ہے، منہاج السنۃ کی پوری عبارت درج ذیل ہے :

فان طلحۃ والزبیر کانا معظماین عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا موافقین لھا مؤتمرین بامرھا وھما وھی من ابعد الناس عن الفواحش والمعاونۃ علیھا، فان جاز للرافضی ان یقدح فیھما بقولہ بای وجہ یلقون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع ان الواحد منا لو تحدث مع امرأۃ غیرہ حتی اخرجھا من منزلھا وسافر بھا الیٰ اخرہ، مع ان ذلک انما جعلھا بمنزلۃ الملکۃ التی یأتمر بامرھا و یطیعھا ولم یکن اخراجھا لمظان الفاحشۃ الخ (حوالۂ بالا)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے پہلے بے حیا رافضی کی اس حیا سوز بکواس کو نقل کیا ہے کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ناجائز طریقہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے ساتھ لے گئے تھے، پھر اس بے حیا رافضی کو جواب دیا ہے کہ ان دونوں حضرات کے قلوب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عظمت سے معمور تھے اور ملکہ کی طرح آپ کی عظمت و اطاعت کرتے تھے۔

اس میں اثبات امارت مقصود نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ ام المؤمنین ہونے کی وجہ سے ان کے قلوب میں آپ کی عظمت اور اطاعت کا جذبہ تھا، اگر اثبات امارت مقصود ہوتا تو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ امارۃ المرأۃ کے جواز کے قائل ہوتے، حالانکہ وہ اسے ناجائز قرار دیتے ہیں، اور ان مسائل میں شمار کرتے ہیں جن پر پوری اُمت کا اجماع ہے جس کی تفصیل "متفقہ فیصلہ" میں عنوان "اجماعِ اُمت" کے تحت گزر چکی ہے۔

آپ کے دادا امام عبدالسلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی منتقی الاخبار میں "باب المنع من ولایۃ المرأۃ والصبی الخ" مستقل باب لکھا ہے اور اسے احادیث سے ثابت کیا ہے (نیل الاوطار ص ۲۷۲ ج ۸)

besturdubooks.wordpress.com

شجرة الدّر :

اس سے عورت کی سلطنت کے جواز پر استدلال بدو وجہ باطل ہے :

(۱) دنیا میں ہر وہ قول وعمل جو نصوص شرع کے خلاف ہو مردود ہے ۔

(۲) یہ بہت مکار عورت تھی، اس نے ملک صالح کی وفات کے بعد اس کے بیٹے کو مکر و فریب کے ذریعہ بہت دردناک طریقہ سے قتل کروا کر ۲ رصفر سنہ ۶۴۸ھ کو حکومت پر تسلط قائم کر لیا، امراء اور عوام کو خوش کرنے کے لیے ان پر دولت کی بارش برسادی، بڑے بڑے وظائف اور بڑی بڑی جاگیریں دے کر ان کے منہ بند کر دیئے ۔

بغداد میں خلیفۂ وقت ابوجعفر مستنصر باللہ کو علم ہوا تو اس نے مصر کے امراء کو بہت ڈانٹا، اس مکار عورت کو معزول کرنے کا حکم دیا اور لکھا :

"اگر تمہارے پاس سلطنت کا اہل کوئی مرد باقی نہیں رہا تو ہم کوئی مرد بھیج دیں"

کیا تم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں سنا :

"جو قوم اپنے معاملات کسی عورت کے سپرد کر دے وہ ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتی""

خلیفہ کی دھمکی وصول ہونے پر یہ خبیث عورت خود ہی سلطنت سے دستبردار ہو گئی"

اس طرح اس کی حکومت کی کل مدت دو ماہ سے بھی کم تھی (فوات الوفیات لابن شاکر الکتبی ص ۲۶۴ ج ۱، اعلام النساء ص ۲۸۶ ج ۲، مرآۃ الجنان للیافعی ص ۱۲۷ ج ۴)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد

۴ رشعبان سنہ ۱۴۰۹ھ

الحاق :

اس تحریر کے بعد علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارتِ ذیل کے بارے میں استفسار موصول ہوا :

ومذهب الجمهور ان المرأة لا تلي الامارة ولا القضاء واجازه

besturdubooks.wordpress.com

الطبری وهی روایة عن مالك رحمه الله تعالی، وعن ابی حنیفة رحمه الله تعالی تلی الحکم فیما تجوز فیه شهادة النساء (ارشاد الساری ص ۲٦۰ ج ۱۰)

طبری اور امام رحمہما اللہ تعالیٰ کے اقوال کی تشریح "متفقہ فیصلہ" میں قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ سے یوں نقل کی جا چکی ہے:

"وهذا نص فی ان المرأة لاتکون خلیفة ولاخلاف فیه ونقل عن محمد بن جریر الطبری امام الدین انه یجوز ان تکون المرأة قاضیة ولم یصح ذلك عنه ولعله کما نقل عن ابی حنیفة رحمه الله تعالی انها انما تقضی فیما تشهد فیه ولیس بان تکون قاضیة علی الاطلاق ولابان یکتب لها منشور بان فلانة مقدمة علی الحکم الا فی الدماء والنکاح وانما ذلك کسبیل التحکیم اوالاستبانة فی القضیة الواحدة" (احکام القرآن لابن العربی ص ۱۴۴۵ ج ۳)

رہی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت، سواس کی جستجو کے لئے کتب مالکیہ میں سے درج ذیل چودہ مشہور و مستند کتب کا مراجعہ کیا گیا:

(۱) المدونة الکبری للامام مالك رحمه الله تعالی۔

(۲) المنتقی شرح موطأ الامام مالك رحمه الله تعالی۔

(۳) بدایة المجتهد للامام ابن رشد رحمه الله تعالی۔

(۴) اقرب المسالك الی مذهب الامام مالك رحمه الله تعالی۔

(۵) الشرح الصغیر علی اقرب المسالك۔

(٦) حاشیة العلامة الصاوی رحمه الله تعالی علی الشرح الصغیر۔

(۷) مختصر العلامة الخلیل رحمه الله تعالی۔

(۸) الشرح الکبیر لمختصر العلامة الخلیل رحمه الله تعالی۔

(۹) حاشیة العلامة الدسوقی رحمه الله تعالی علی الشرح الکبیر۔

(۱۰) شرح منح الجلیل علی مختصر العلامة الخلیل رحمه الله تعالی۔

(۱۱) تسهیل منح الجلیل علی مختصر العلامة خلیل رحمه الله تعالی۔

(۱۲) جواهر الاکلیل شرح مختصر العلامة الشیخ خلیل رحمه الله تعالی۔

besturdubooks.wordpress.com

(۱۳) التاج والاکلیل لمختصر خلیل رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۱۴) مواہب الجلیل لشرح مختصر خلیل رحمہ اللہ تعالیٰ۔

کتب مذکورہ میں سے کسی میں بھی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے جواز قضاء المرأۃ کی کوئی روایت نہیں، مدوّنہ کتاب القضاء میں قضاء المرأۃ کی بحث ہی نہیں، بقیہ تیرہ کتابوں میں عدم جواز بلکہ اس سے بھی بڑھ کر عدم نفاذ اور وجوب فسخ کی تصریح ہے۔ البتہ مؤخر الذکر کتاب "مواہب الجلیل" میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلمیذ امام ابن القاسم رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت جواز نقل کر کے اسکا محمل بھی وہی قرار دیا ہے جو قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ نے طبری اور امام رحمہما اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب اقوال کا قرار دیا ہے، اب ان کتابوں سے متعلقہ عبارات پیش کی جاتی ہیں:

(۱) قال الامام الباجی رحمہ اللہ تعالیٰ:

"فاما صفاتہ (القضاء) فی نفسہ فاحدھا ان یکون ذکرا (الی قولہ) فاما اعتبار الذکورۃ فحکی القاضی ابومحمد وغیرہ انہ مذھب مالک، ودلیلنا ما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لن یفلح قوم اسندوا امرھم الی امرأۃ، ودلیلنا من جھۃ المعنی انہ امر یتضمن فصل القضاء فوجب ان تنافیہ الانوثۃ کالامامۃ، قال القاضی ابوالولید ویکفی فی ذلک عندی عمل المسلمین من عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نعلم انہ قدم لذلک فی عصر من الاعصار ولا بلد من البلاد امرأۃ کما لم یقدم للامامۃ امرأۃ واللہ اعلم واحکم۔" (المنتقی ص ۱۸۲ ج ۵)

(۲) وقال الامام ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ:

"فاما الصفات المشترطۃ فی الجواز فان یکون حرا مسلما بالغا ذکرا عاقلا عدلا۔" (بدایۃ المجتھد ص ۴۵۴ ج ۲)

(۳) وقال العلامۃ احمد الدردیر رحمہ اللہ تعالیٰ:

"شرط القضاء عدالۃ وذکورۃ" (اقرب المسالک)

(۴) وقال فی الشرح:

"ای شرط صحتہ، فلا یصح من انثی ولا خنثی" (الشرح الصغیر)

besturdubooks.wordpress.com

(۵) وقال العلامة احمد الصاوی رحمہ اللہ تعالی :

"ای ولا ینفذ حکمها" (الشرح الصغیر ص ۱۸۷ ج ۴)

(٦) وقال العلامة خلیل رحمہ اللہ تعالی :

"اهل القضاء عدل ذکر" (مختصر العلامة خلیل)

(۷) وقال العلامة احمد الدردیر رحمہ اللہ تعالی :

"ذکر محقق لا انثی ولا خنثی" (الشرح الکبیر)

(۸) وقال العلامة الدسوقی رحمہ اللہ تعالی :

"(قوله لا انثی ولا خنثی) ای فلا یصح تولیتهما للقضاء ولا ینفذ حکمهما" (الشرح الکبیر ص ۱۲۹ ج ۴)

(۹) وقال الشیخ محمد علیش رحمہ اللہ تعالی فی شرح قول العلامة خلیل رحمہ اللہ تعالی (اهل القضاء عدل ذکر فطن مجتهد ان وجد والا فامثل مقلد) :

"(الثامن) صفات القاضی المطلوبة فیه ثلاثة اقسام شرط فی صحة تولیته وشروط فی دوامها وشروط فی کمالها، اشار المصنف الی الاولی بقوله عدل الی قوله فامثل مقلد -

(ذکر) فلا تصح تولیة امرأة لحدیث البخاری لن یفلح قوم ولوا امرهم امرأة" (منح الجلیل ص ۱۳۸ ج ۴)

(۱۰) والشیخ المذکور لم یتعرض لهذا فی حاشیته علی شرحه المذکور فکأنه قرره مرة ثانیة -

(۱۱) وقال الشیخ صالح عبد السمیع : "(ذکر) فلا تصح تولیة امرأة لحدیث البخاری لن یفلح قوم ولوا امرهم امرأة" (جواهر الاکلیل ص ۲۲۱ ج ۲)

(۱۲) وقال العلامة المواق رحمہ اللہ تعالی :

"اهل القضاء عدل ذکر) ابن رشد القضاء خصال مشترطة فی صحة الولایة وهی ان یکون ذکرا حرا مسلما بالغا عاقلا واحدا فهذه ستة خصال لا یصح ان یولی القضاء الا من اجتمعت فیه فاولی من لم تجتمع

besturdubooks.wordpress.com

فیہ لم تنعقد لہ الولایۃ وان انخرم شیء منھا بعد انعقاد الولایۃ سقطت ولایتہ" (التاج والاکلیل علی ھامش مواھب الجلیل ص ۸۷ ج ۶)

(۱۳) وقال الامام الحطاب رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح قول العلامۃ خلیل رحمہ اللہ تعالیٰ اھل القضاء عدل ذکر فطن مجتھد ان وجد والا فامثل مقلد) :

"واعلم ان صفات القاضی المطلوبۃ فیہ علی ثلاثۃ اقسام (الاول) شرط فی صحۃ التولیۃ وعدمہ یوجب الفسخ (والثانی) ما یقتضی عدمہ الفسخ وان لم یکن شرطا فی صحۃ التولیۃ (الثالث) مستحب ولیس بشرط فاشار المؤلف الی الاول بقولہ اھل القضاء عدل الی قولہ والا فامثل مقلد (ذکر) ش قال فی التوضیح وروی ابن ابی مریم عن ابی القاسم جواز ولایۃ المرأۃ، قال ابن عرفۃ قال ابن زرقون اظنہ فیما تجوز فیہ شھادتھا، قال ابن عبد السلام لاحاجۃ لھذا التأویل لاحتمال ان یکون ابن القاسم قال کقول الحسن والطبری باجازۃ ولایتھا القضاء مطلقا (قلت) الاظھر قول ابن زرقون لان ابن عبد السلام قال فی الرد علی من شذ من المتکلمین فقال الفسق لاینافی القضاء ما نصہ وھذا ضعیف جدا لان العدالۃ شرط فی قبول الشھادۃ والقضاء اعظم حرمۃ منھا (قلت) فجعل ما ھو مناف للشھادۃ مناف للقضاء فکما ان النکاح والطلاق والعتق والحدود لاتقبل فیھا شھادتھا فکذلک لا یصح فیھا قضاؤھا انتہی" (مواھب الجلیل ص ۸۷ ج ۶)

یہ روایت مؤولہ صرف قضاء کے بارے میں ہے، عورت کی ولایت بالاجماع جائز نہیں، خلیفہ ابوجعفر مستنصر باللہ نے شجرۃ الدر کو سلطنت صغریٰ یعنی ذیلی حکومت کی بھی اجازت نہ دی اور اسے مار بھگایا جس کی تفصیل بعنوان "شجرۃ الدر" گزر چکی ہے، جب عورت ذیلی امارت کی اہل نہیں تو امارت عظمیٰ کی اہل کیسے ہو سکتی ہے؟

قال الامام ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ :

"قال عبد الوھاب ولا اعلم بینھم اختلافا فی اشتراط الحریۃ، فمن رد قضاء المرأۃ شبھہ بقضاء الامامۃ الکبریٰ وقاسھا ایضا علی العبد لنقصان حرمتھا ومن اجاز حکمھا فی الاموال فتشبیھا بجواز شھادتھا فی الاموال، ومن رأی حکمھا نافذا فی کل شیء قال ان الاصل ھو ان کل من یأتی منہ الفصل بین الناس فحکمہ جائز الا ما خصہ الاجماع من الامامۃ الکبریٰ" (بدایۃ المجتہد ص ۴۵۵ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبرت: جو عورت اس تحریر کا باعث بنی اس کی حکومت صرف بیس ۲۰ ماہ بمشکل چل سکی جو بہت ہی برے انجام اور انتہائی ذلت پر ختم ہوئی۔

رشید احمد
۱۶ رمضان سنہ ۱۴۰۹ھ